# مغربی ممالک میں تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں اہم ہدایات

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

# مغربی ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ سَرانجام دینے والے احمدی مبلّغین کو نہایت ضروری اور اہم ہدایات

(تقریر فرمودہ ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء بمقام قادیان)

تشہّد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج ہمارے دو عزیز خدمتِ دین کے ارادہ سے قادیان سے باہر جا رہے ہیں اور آج غالبًا پہلا موقع ہے کہ تحریک جدید کے طلباء کے ایڈریس میں مجھے شامل ہونے کا موقع ملا ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کے خطرات الگ الگ قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ جس ملک میں ہمارے یہ عزیز جا رہے ہیں وہاں جان کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ ہندوستان کی نسبت جان وہاں زیادہ محفوظ ہے۔ پھر اُس جگہ انسانی آرام اور آرائش میں کسی قسم کی کمی کا خوف نہیں بلکہ ہماری نسبت وہاں ہزاروں گُنے زیادہ آرام اور زیادہ آسائش کے سامان لوگوں کو حاصل ہیں۔ اس جگہ سوشل اور تمدنی تعلقات کے خراب ہونے کا بھی کوئی خوف نہیں کیونکہ وہاں اِس ملک کی نسبت زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ بامذاق اور موجودہ زمانہ کی رَوش کو مدّنظر رکھتے ہوئے زیادہ روشن خیال لوگ موجود ہیں۔ اسی طرح سفروں کی تکالیف کا بھی وہاں کوئی ڈر نہیں کیونکہ یہاں کی پکی سڑکیں وہاں کی کچی سڑکوں کے مقابلہ میں شاید ردّی اور خراب ہی کہلائیں۔ غرض دُنیوی تمدن، دُنیوی آرام و آسائش اور جسمانی ضروریات کے لحاظ سے وہ ملک ہمارے ملک کے مقابلہ میں ہزاروں گُنے زیادہ آرام اور زیادہ آسائش کے سامان مہیا کرنے والا ہے۔ بیسیوں لوگ ایسے ہیں جن کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس ملک کو دیکھیں وہ خود روپیہ خرچ کر کے جاتے ہیں۔ وہ انہی تکالیف میں سے گزرتے ہیں جن تکالیف میں سے ہمارے مبلّغ گزر سکتے ہیں اور بعض کو تو

اپنی روٹی کمانے کیلئے وہاں جا کر کام بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کیلئے بعض کو بڑی بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ میں جب انگلستان میں گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص وہاں بیرسٹری کی تیاری کر رہا تھا دو سال سے اُسے گھر سے خرچ نہیں آیا تھا مگر وہ کام کر کے روپیہ کماتا اور اس کے ساتھ ہی تعلیم بھی حاصل کرتا، اب وہ بیرسٹر ہے اور ہندوستان میں ہی کام کرتا ہے۔ غالباً جہلم یا گجرات مجھے صحیح یاد نہیں مگر ان میں سے کسی ایک جگہ وہ کام کرتا ہے اور کبھی کبھی مجھے بھی اس کا خط آ جاتا ہے۔تو لوگ اُن تکلیفوں سے زیادہ تکلیفیں اُٹھا کر جو ہمارے مبلغین کو پہنچتی ہیں یا پہنچ سکتی ہیں محض اِس لئے کہ یوروپین زندگی خوش آئند ہے اور اُن کی طبائع کو بھاتی ہے، وہ اس ملک میں جاتے اور اس زندگی کو اِس زندگی پر ایسی ترجیح دیتے ہیں کہ بعض دفعہ اپنے ماں باپ یا دوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کی بیماری اور موت کی خبریں بھی اُنہیں ملتی ہیں تو وہاں سے آنا پسند نہیں کرتے۔ پس ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں جانا کسی قسم کی قربانی نہیں سوائے اس کے کہ جانے والے کے اپنے دل میں کمزوری ہو کیونکہ بعض لوگ ہوم سِک (HOME SICK) میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی گھر کی محبت جلدی اُن پر غالب آ جاتی ہے اور وہ اُداس اور غمگین ہو جاتے ہیں۔ اس مرض کے مریضوں کو چھوڑ کر کہ اِس قسم کے لوگوں کی بھی کچھ تعداد ہوتی ہے اور ان کیلئے سفر واقعی ایک قربانی ہوتی ہے کیونکہ جو چیز دوسروں کی نگاہ میں عیش اور لذت کا سامان ہو وہ اُن کیلئے دُکھ اور مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ دن کی گھڑیوں میں اِس دکھ اور درد سے کراہتے اور رات کی تنہائی کی گھڑیوں میں آنسو بہاتے اور روتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے بچے جو ولایت گئے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک کے متعلق چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے بتایا کہ وہ ڈیڑھ سال تک روزانہ رات کو روتا تھا اور جب اُس سے پوچھا جائے کہ تم کیوں روتے ہو تو وہ کہتا میں قادیان کی یاد میں رو رہا ہوں۔تو ایسی طبائع بھی ہوتی ہیں جن پر افسردگی اور غم کی گھڑیاں آتی رہتی ہیں۔ وہ تعیّش اور آرام کی زندگی کو بُھول جاتے اور سہولت اور آرام کے تمام ذرائع کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں اور دوستوں کی یاد میں آنسو بہانے لگ جاتے ہیں۔بعض پر یہ گھڑیاں کسی کسی وقت آتی ہیں بعض پر آتی ہی نہیں اور بعض ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو درمیان میں ہی ولایت کی تعلیم محض اِس لئے چھوڑ کر آ گئے کہ گھر کی جُدائی ان سے برداشت نہ ہو سکی حالانکہ آرام وہاں بہت زیادہ ہے۔تو بے شک اس قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ استثنائی رنگ میں بعض ایسے بھی لوگ ہوں جن

پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کی محبت اتنی غالب ہو کہ انہیں اس ملک میں جا کر بھی تکلیف محسوس ہو لیکن انہیں نظر انداز کرتے اور اِس قسم کی طبیعت والوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جن کو خواہ کیسی ہی آرام کی جگہ لے جایا جائے اگر وہاں ان کے اقرباء اور رشتہ دار نہ ہوں تو وہ ان کی جُدائی کبھی برداشت نہیں کر سکتے اور جو زیادہ سے زیادہ دو تین فیصدی ہوتے ہیں باقی ۹۷ یا ۹۸ فیصدی ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی نظر دُنیا پر ہوتی ہے اور وہ ان ملکوں میں جانے کو ایسا ہی پسند کرتے ہیں جیسے مومن جنت میں جانے کو۔

میں نے دیکھا ہے سال میں دو تین چِٹھیاں بعض غیر احمدیوں کی طرف سے ضرور اِس قسم کی آ جاتی ہیں کہ آپ ہمارے لئے چند مہینوں کے خرچ کا انتظام کر دیں ہم اپنی ساری زندگی تبلیغِ اسلام کیلئے وقف کرنے کیلئے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں اسلام کی تبلیغ کیلئے امریکہ یا انگلینڈ بھیجا جائے۔ میں ہمیشہ ان کو یہی جواب دیتا ہوں کہ امریکہ یا انگلینڈ ہی صرف ایسے ملک نہیں ہیں جن میں تبلیغِ اسلام کی ضرورت ہو بلکہ اور بھی کئی ایسے ممالک ہیں جن میں اسلام کی تبلیغ کی ضرورت ہے اگر آپ آئیں اور تبلیغ کا طریق سیکھ لیں تو میں آپ کو چین، جاپان یا کسی دوسرے ملک میں تبلیغِ اسلام کیلئے بھیج سکتا ہوں۔ اگر آپ ان ممالک میں جانے کیلئے تیار ہوں تو مجھے اطلاع دیں امریکہ یا انگلینڈ میں ہم آپ کو نہیں بھیج سکتے کیونکہ وہاں ہمارے مبلّغ موجود ہیں۔ میں نے دیکھا ہے اِس جواب کے بعد دوبارہ اُن کی طرف سے کبھی درخواست نہیں آئی۔ تو سال میں دو تین درخواستیں بعض گریجوایٹس کی طرف سے اِس قسم کی آ جاتی ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو پوری طرح قربان کرنے کیلئے تیار ہیں اور اِس بات کیلئے بالکل آمادہ ہیں کہ اسلام کیلئے اپنی جان دیدیں بشرطیکہ اُن کے گلے پر چُھری امریکہ میں پھیری جائے یا انگلینڈ میں۔ تو اِس قسم کی قربانی درحقیقت ان حالات میں کوئی قربانی نہیں بلکہ ان ممالک میں قربانی کا نقطہ نگاہ بالکل اور ہے۔ ان ممالک میں قربانی جان کی نہیں بلکہ ان ممالک میں قربانی جذبات کی ہے۔ ایک امریکہ یا انگلینڈ میں جانے والا ہمارا مبلّغ اپنی روٹی کی قربانی ہرگز نہیں کر رہا، وہ اپنے مال کی قربانی ہرگز نہیں کر رہا، وہ اپنی جان کی قربانی ہرگز نہیں کر رہا وہ اپنے تمدن کی قربانی ہرگز نہیں کر رہا، وہ اپنے سوشل تعلقات کی قربانی ہرگز نہیں کر رہا وہ جو قربانی کر سکتا ہے اور جو اُس کیلئے مشکل ہے وہ یہ ہے کہ وہ وہاں کے اثرات اور وہاں کے غالب خیالات پر چھا جانے کی کوشش کرے اور اُس رَو کے مقابلہ میں کھڑا رہے جو اسلام کے خلاف اس جگہ جاری ہے۔ وہ بے شک

ہنسی برداشت کرے، وہ بے شک تمسخر سُنے مگر اسلام کے اُن مسائل پر مضبوطی سے قائم رہے جن مسائل پر آج مغرب ہنس رہا ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ قربانی کرتا ہے اور اگر وہ نہیں کرتا تو اس کی قربانی کے تمام دعوے محض دھوکا، محض فریب اور محض تمسخر ہیں۔ وہ احمدیت کیلئے قربانی نہیں کر رہا بلکہ احمدیت کو مغرب کی رَو کے مقابلہ میں قربان کر رہا ہے۔ میں ایک سال کے اندر اندر ایک ہزار ایسے آدمی پیش کر سکتا ہوں نہ صرف احمدیوں سے بلکہ غیر احمدیوں میں سے جو اِس بات کیلئے بالکل تیار ہیں کہ احمدیت کیلئے اپنی جان قربان کر دیں بشرطیکہ اُن کے گلے پر چُھری امریکہ یا انگلینڈ میں پھیری جائے۔ پس اس قربانی کیلئے جس کیلئے غیر بھی اپنے آپ کو پیش کر سکتے بلکہ پیش کرتے رہتے ہیں اپنے آپ کو تیار کرنا کوئی خوبی اور کمال نہیں۔ ایک شخص تو پچھلے دنوں چھ مہینے تک متواتر یہاں آتا رہا اور اُس نے کئی سفر کئے وہ بار بار یہ کہتا کہ مجھے خواب آئی ہے کہ میں اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کیلئے پیش کر دوں۔ پہلے تو جب ہم نے اُسے کہا کہ ہم احمدی مبلّغ ہی باہر بھیجتے ہیں اوروں کو نہیں بھیجتے تو کہنے لگا میں حاضر ہوں میری بیعت لے لیجئے۔ مگر مجھے خواب آ چکی ہے کہ آپ نے مجھے باہر بھیجا ہے اِس لئے مجھے باہر بھیج دیجئے۔ میں نے کہا مجھے تو کوئی خواب نہیں آئی جس دن مجھے آئی میں بھیج دوں گا۔ خواب کے معنے تو صرف اتنے ہی ہیں کہ آپ مجھ سے مشورہ لیں۔ سو میں آپ کو مشورہ دے دیتا ہوں کہ آپ چلے جائیں لندن میں یا چلے جائیں جرمن، فرانس یا امریکہ میں۔ کہنے لگا نہیں میں تو سلسلہ کیلئے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا آپ تو اپنے آپ کو وقف کرتے ہیں مگر میں تو آپ کو لینے کیلئے تیار نہیں۔ وہ بیچارہ چھ مہینے تک یہاں آتا رہا اور بار بار خطوں میں بھی لکھتا کہ مجھے خواب آئی ہے مگر میں نے اُسے نہ بھیجا۔ وہ اپنے دل میں یہی کہتا ہوگا کہ بیعت کر کے بھی کیا فائدہ حاصل کیا۔ تو جس قسم کی قربانی ہمارے امریکہ یا انگلینڈ جانے والے مبلّغ کرتے ہیں، ان طبائع کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جن کا مَیں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور جس کے ماتحت ہمارے مبلّغوں میں بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو دو فیصدی میں شامل ہوں اور جو گھر سے باہر نہیں رہ سکتے بلکہ اپنی دماغی بناوٹ کے نتیجہ میں گھر سے باہر رہنا موت سمجھتے ہیں، اُن کی قربانی حقیقی قربانی نہیں کہلا سکتی اور جن دو فیصدی کا میں نے ذکر کیا ہے ان کی قربانی بھی مخصوص قربانی ہوگی اور محض ان کے نفس کیلئے ہوگی۔ پس عام حالات میں امریکہ یا انگلینڈ جانے والا مبلّغ کسی چیز کی قربانی نہیں کرتا سوائے اس کے کہ وہ بیمار ہو جائے یا سوائے اِس کے کہ اُس کے جذبات بہت نازک

ہوں جو سَو میں سے بمشکل دو کے ہوتے ہیں جس چیز کی امریکہ یا انگلینڈ جانے والا مبلّغ قربانی کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ وہاں کے مذاق کا مقابلہ کر کے اسلامی تعلیم کو ان لوگوں میں قائم کرے۔ اگر وہ ایسا کرے تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ قربانی کرتا ہے اور اگر وہ نہیں کرتا تو اُس کی قربانی کا دعویٰ محض جھوٹ اور محض فریب ہے۔ وہ ہمارے ملک کے مکانوں سے بہتر مکانوں میں رہتا ہے، وہ ہمارے ملک کی ریلوں سے بہتر ریلوں میں سفر کرتا ہے، وہ ہمارے ملک کی سوسائٹی سے بہتر سوسائٹی بلکہ دُنیوی نقطہ نگاہ سے زیادہ روشن خیال لوگوں میں رہتا ہے، ان حالات میں کونسی قربانی ہے جو وہ کر رہا ہے۔ پس ہمارے ان مبلّغین کو بھی جو انگلستان میں موجود ہیں یہ امر مدنظر رکھنا چاہئے کہ انگلستان اور امریکہ میں اگر کوئی قربانی ہے تو یہ کہ اسلامی تعلیم پر وہاں کے تمسخر کو برداشت کیا جائے اور اسلامی اصول پر مضبوطی سے اپنے آپ کو قائم رکھا جائے اگر کوئی شخص ان کے تمسخر کو برداشت نہ کرتے ہوئے اسلامی اصول پر قائم نہیں رہتا تو ہرگز وہ کسی قسم کی قربانی نہیں کرتا۔ لیکن ایک مبلّغ کی بے شک یہ قربانی ہوگی اگر وہ کسی مجلس میں جاتا ہے اور اُس مجلس میں عورتیں آتی ہیں مگر وہ اُن سے مصافحہ نہیں کرتا۔ عورتیں اُس پر ہنستی ہیں اور کہتی ہیں اولڈ فیشن، گدھا ایشیائی، بیوقوف ہندوستانی مگر وہ اِن تمام باتوں کو سنتا ہے اور کہتا ہے بے شک مجھ پر ہنس لو مگر میرا مذہب مجھے یہی کہتا ہے کہ عورتوں سے مصافحہ نہ کرو۔ اسی طرح اگر کسی مجلس میں اُس سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اسلام میں ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور وہ بجائے اِس رنگ میں جواب دینے کے کہ اصل میں اِس کی بعض وجوہ ہیں یہ جواب دیتا ہے کہ بے شک اسلام کا یہ مسئلہ ہے اور تم اگر آج اِن باتوں کو نہیں مانتے تو تمہیں کل اِن باتوں کو ماننا پڑے گا اور لوگ اس پر ہنسی کرتے اور اُس کی باتوں پر تمسخر اُڑاتے ہیں کہتے ہیں کیا عورتوں کے جذبات نہیں ہوتے، کیا عورتوں میں قدرت نے احساسات نہیں رکھے؟ یہ کس قسم کی تعلیم ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ مگر وہ اس تمام تمسخر کو برداشت کرتے ہوئے کہہ دے کہ خواہ تم کچھ کہو ٹھیک بات وہی ہے جو اسلام نے پیش کی تو بے شک وہ قربانی کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی موقع پر سُود کا مسئلہ آ جاتا ہے اور وہ دلیری سے اسلام کی تعلیم پر قائم رہتا ہے اور باوجود ہر قسم کے اعتراضات کے اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا تو بے شک ہم کہیں گے وہ قربانی کرتا ہے۔ اسی طرح ورثہ کا مسئلہ ہے، انشورنس کا مسئلہ ہے، اسلامی طریق حکومت کا مسئلہ ہے اور اَور ہزاروں ایسے مسائل ہیں خصوصاً وہ مسائل جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جیسے پردہ ہے یا تعدّد ازدواج

ہے یا عورتوں سے میل جول یا مصافحہ کرنا ہے یا کھانے پینے کے مسائل ہیں یہ چیزیں ایسی ہیں جن پر مغرب کے لوگ ہنستے ہیں۔ اگر ہماری طرف سے جانے والا مبلّغ مغربی لوگوں کے اِس تمسخر اور اِس استہزاء اور اس ہنسی کو برداشت کرتا ہے اور مضبوطی سے اسلامی تعلیم پر قائم رہتا ہے تو وہ بے شک قربانی کر رہا ہے لیکن اگر وہ کمزوری دکھاتا ہے تو وہ کوئی قربانی نہیں کر رہا بلکہ ایک تکلیف دہ جگہ سے نکل کر آرام والی جگہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اس آرام اور آسائش کو اپنے لئے قربانی قرار دیتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کہتے ہیں کوئی پاگل بادشاہ تھا اُس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میری بیٹی کی اب اتنی بڑی شان ہوگئی ہے کہ اس کی شادی آسمان کے کسی فرشتہ سے ہی ہوسکتی ہے دنیا کے کسی انسان سے نہیں ہوسکتی۔ اتفاقاً ایک دن بگولے میں اُڑتا ہوا ایک پہاڑی آدمی اُس کے محل کے قریب آ گیا۔ لوگوں نے فوراً بادشاہ کو خبر پہنچائی بادشاہ سن کر کہنے لگا یہی فرشتہ ہے جو آسمان سے اُترا ہے میں اس سے اپنی بیٹی کی شادی کروں گا۔ وہ پہاڑی آدمی تھا، نہ کھانا جانتا تھا نہ پینا، مگر زبردستی بادشاہ نے اپنی لڑکی کی اُس سے شادی کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ اجازت لے کر اپنے ملک کو واپس گیا تو اُس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار جو عرصہ سے اُس کے منتظر تھے اُسے دیکھ کر رونے لگ گئے جیسا کہ ہمارے ملک میں عام دستور ہے۔ وہ کہنے لگا میں تجھے کیا بتاؤں مجھ پر کیا کیا ظلم ہوئے، اُسے کھانے کیلئے صبح وشام پلاؤ دیا جاتا تھا، وہ اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے صبح وشام کیڑے پکا پکا کر کھلائے جاتے تھے اور اِس طرح مجھ کو دکھ دیا جاتا۔ پھر بادشاہ کے ملازم اُسے صبح وشام نرم گدیلوں پر لِٹا کر چونکہ دبایا بھی کرتے تھے اس لئے کہنے لگا۔ ماں مجھ پر صرف اتنا ہی ظلم نہیں ہوا بلکہ وہ صبح وشام میرے اوپر نیچے موٹے موٹے کپڑے ڈال کر مجھے کُوٹنے لگ جاتے تھے۔ یہ سُن کر ماں نے بھی زور سے چیخ ماری۔ وہ پھر بھی کہنے لگا اے ماں! مجھ پر اتنے ظلم ہوئے مگر مَیں پھر بھی نہیں مرا۔ اِس مثال میں پہاڑی آدمی نے اپنی جس قربانی کا ذکر کیا ہے اِس سے زیادہ مغربی ممالک میں جانے والوں کی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر وہاں کوئی قربانی ہے تو اُن باتوں میں جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے اور اگر کوئی شخص ان باتوں میں تو قربانی نہیں کرتا اور دعویٰ یہ کرتا ہے کہ میں قربانی کر رہا ہوں تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ ایک نامرد اگر کہے کہ میں عفیف ہوں تو اُس کا دعوی عِفّت کوئی حقیقت نہیں رکھے گا۔ یا ایک نابینا شخص اگر کہے کہ میں کبھی کسی غیر محرم پر نگاہ نہیں ڈالتا

تو یہ اُس کی کون سی خوبی ہوگی؟ خوبی اور قربانی اُس وقت ہوتی ہے جب کسی شخص کے سامنے کوئی ناجائز بات پیش آئے اور وہ طاقت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لئے اس میں حصہ نہ لے۔

پس محض انگلینڈ یا امریکہ میں چلے جانا کوئی قربانی نہیں۔ میں احمدیوں میں سے ایسے کئی پیش کرسکتا ہوں جو وہاں جانے کیلئے تیار ہیں بلکہ دو تین احمدی تو گذشتہ دنوں یہاں تک کہتے تھے کہ ہمیں آپ سرٹیفکیٹ دے دیں ہم امریکہ میں مُفت تبلیغ کرنے کیلئے تیار ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ہر سال دو تین آدمی ایسے ضرور آ جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نہ تنخواہ مانگتے ہیں نہ سفر خرچ بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں صرف سرٹیفکیٹ دے دیں تا امریکہ میں ہمیں داخل ہونے کی اجازت مل جائے اور وہاں کی جماعت کو کہہ دیا جائے کہ وہ ذرا ہمارا خیال رکھے۔ ہم نے اپنے اخراجات کا بھی انتظام کرلیا ہے آپ صرف اتنا کریں کہ ہمیں سرٹیفکیٹ دے دیں۔ پس خالی انگلینڈ یا امریکہ میں جانا کوئی چیز نہیں بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ انسان اس روح اور اس ارادہ سے جائے کہ میں نے وہاں سچا اسلام پیدا کرنا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مغربی ممالک میں اب تک سچا اسلام پیدا کرنے میں ہمیں پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور اِس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے مبلّغین صرف یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ دس بیس یا پچاس سَو آدمی ہمیں مسلمان دکھا دیں وہ اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ ایک سچا اور صاف مسلمان خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کریں۔ حالانکہ ہمارے سامنے سَو مسلمان پیش کر دینا کوئی بات نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایک سچا مسلمان پیش کرنا بہت بڑی بات ہے۔ پس مغرب میں جانے والے مبلّغین میں سے ہم اُسی کو صحیح قربانی کرنے والا سمجھ سکتے ہیں جو مغرب کی رَو کا مقابلہ کرے۔ جو شخص اس رَو کا مقابلہ نہیں کرتا اُسے حقیقی قربانی کرنے والا ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ یہ خواہش ہزاروں لوگوں کے دلوں میں پائی جاتی ہے کہ وہ امریکہ یا انگلینڈ جائیں اور سوائے ان دو فیصدی کے جن کے نزدیک وہاں کے تمام آرام و آسائش کے سامان گھر کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے وہ یہاں ہل چلانا پسند کرلیں گے مگر امریکہ کی بجلی کو جس سے وہاں پر کام ہوتا ہے ناپسند کریں گے۔ اِس قسم کے لوگوں کیلئے بیشک وہاں جانا بھی قربانی ہے مگر ہمارے پانچ سات مبلّغوں میں سے کوئی ایک ایسا ہوگا ورنہ میجارٹی ایسے لوگوں کی نہیں ہے۔ میجارٹی ایسے ہی لوگوں کی ہے جو دُنیوی آرام و آسائش والی جگہ میں جا کر قلیل آرام والی جگہ کو بُھول جاتے ہیں۔ پس ان مبلّغین کا استثناء کرتے ہوئے جن کی طبائع ایسی نازک واقع ہوتی ہیں اور جن کا مغربی ممالک

میں جانا بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔ خواہ یہ جذباتی قربانی ہی ہے مادی نہیں کیونکہ ایسے شخص کو بہرحال وہاں کا آرام پہنچ رہا ہوتا ہے گو اُس کے جذبات اور ہوں۔ اصل اور حقیقی قربانی یہ ہے کہ مغربی رَو کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر ہم اس رَو کا مقابلہ نہیں کرتے تو یقینی طور پر ہم اس مقصد میں ناکام رہتے ہیں جس مقصد کے پورا کرنے کیلئے ہمیں بھیجا جاتا ہے یا جس مقصد کے پورا کرنے کیلئے ہم نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔

پس اس امر کا کوئی سوال نہیں کہ وہاں ایک شخص مسلمان ہوتا ہے یا دو، اس امر کا کوئی سوال نہیں کہ تمہاری کوششوں کا نتیجہ اچھا نکلتا ہے یا بُرا۔ نتیجہ کے تم ذمہ وار نہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ[1] اگر تم اسلام پر قائم رہتے ہو تو خواہ ساری دنیا اسلام پر قائم نہیں رہتی خدا تم سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تم نے کیوں اس قدر کوشش نہ کی کہ وہ اسلام لانے پر مجبور ہو جاتی لیکن اگر تم گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہو تو پھر خدا تم سے ضرور مؤاخذہ کرے گا۔

پس جو شخص وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنانے یا اُن کو مسلمان کہلانے کے شوق میں اسلامی تمدن، اسلامی احکام اور اسلامی اصول میں سے ایک چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بھی نظر انداز کرتا ہے وہ خدا کیلئے لوگوں کو مسلمان نہیں بناتا بلکہ اپنے نام اور اپنی شُہرت کیلئے انہیں مسلمان بناتا ہے۔ پھر اگر اس راہ میں وہ مر بھی جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کے حضور کسی اجر کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ تاریخوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو جنگ میں کُفّار سے بڑے زور سے لڑ رہا تھا مجھے صحیح یاد نہیں کہ اُحد کی جنگ تھی یا کوئی اور بہرحال ایک جنگ میں ایک شخص نہایت جوش سے لڑائی کر رہا تھا اور کُفّار کو قتل کر رہا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص نے دنیا کے پردہ پر چلتا پھرتا دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ صحابہؓ نے جب یہ سُنا تو وہ سخت حیران ہوئے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ جو شخص اِس وقت سب سے زیادہ اسلام کیلئے قربانی کر رہا ہے وہ دوزخی ہو۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں بعض لوگوں کے چہروں پر تردّد کے آثار دیکھ کر میں نے فیصلہ کیا کہ میں اِس شخص کو نہیں چھوڑوں گا جب تک اِس کا انجام نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ ہو لئے یہاں تک کہ اسی لڑائی میں وہ زخمی ہوا۔ جب اُسے میدانِ جنگ سے الگ لے جایا گیا تو شدید کرب کی حالت میں وہ اِس قسم کے الفاظ اپنی زبان سے نکالتا جن میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی اور اُس کے متعلق اظہارِ شکوہ ہوتا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ

اس کی حالت نازک ہے تو انہوں نے اُس کے پاس آنا شروع کیا اور کہنے لگے اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ تجھے جنت کی بشارت ہو۔ مگر وہ اس کے جواب میں کہتا مجھے جنت کی بشارت نہ دو بلکہ دوزخ کی بشارت دو کیونکہ میں خدا کیلئے نہیں لڑا تھا بلکہ اپنے نفس کیلئے جنگ میں شامل ہوا تھا اور کُفّار کا میں نے اِس لئے مقابلہ کیا تھا کہ میں نے بعض پُرانے بدلے ان سے لینے تھے۔ آخر جب درد کی شدت زیادہ ہوگئی تو اُس نے زمین میں ایک نیزہ گاڑا اور اِس پر اپنا پیٹ رکھ کر خودکشی کر لی۔ وہ صحابی جو اُس شخص کا انجام دیکھنے کیلئے اُس کے ساتھ لگے ہوئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ اُس نے خودکشی کر لی تو وہ رسول کریم ﷺ کے پاس آئے۔ رسول کریم ﷺ اس وقت صحابہؓ میں لیٹے ہوئے تھے۔ اُس صحابی نے آتے ہی بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اُس کے رسول ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے بھی فرمایا میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور یہ کہ میں اُس کا رسول ہوں۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا تم نے یہ کلمہ شہادت کیوں پڑھا ہے؟ اُس نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! جب آپ نے ایک شخص کے متعلق آج یہ کہا تھا کہ اگر کسی نے دنیا کے پردہ پر چلتا پھرتا دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اس کو دیکھ لے تو مجھے محسوس ہوا کہ بعض لوگوں کے دل میں تردّد پیدا ہوا ہے۔ اس وجہ سے میں اُس کے ساتھ ہی رہا تا کہ میں اُس کا انجام دیکھوں چنانچہ میں اب بتانے آیا ہوں کہ حضورؐ کی بات درست نکلی اور اس نے خودکشی کر لی ہے۔[۲] تو دنیا میں انسان ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کیلئے بھی قربانیاں کر لیتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ قربانی کس مقصد کیلئے کی جا رہی ہے جب قربانی کسی اعلیٰ مقصد کیلئے کی جا رہی ہو تو وہ قابلِ قدر ہوتی ہے لیکن وہی قربانی جب ادنیٰ مقاصد کیلئے کی جائے تو اُس کی حیثیت کچھ بھی نہیں رہتی۔ ہجرت دیکھ لو کیسی اعلیٰ چیز ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ مہاجر بھی ایک درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ لوگ کئی چیزوں کیلئے ہجرت کرتے ہیں کوئی کسی عورت کیلئے ہجرت کرتا ہے، کوئی کسی کیلئے، کوئی کسی کیلئے مگر فرمایا اصل ہجرت وہی ہے جو خدا تعالیٰ کیلئے کی جائے۔[۳] اس کے مطابق دنیا کے پردہ پر دیکھ لو عورتوں کی خاطر قربانیاں کرنے والے ملتے ہیں یا نہیں؟ ہائیکورٹ کے ججوں کے فیصلے پڑھ کر دیکھ لو۔ بیسیوں کیس شائع ہوتے ہیں جن میں لوگ ایک دوسرے کا محض اتنی سی بات پر سر پھاڑ دیتے ہیں کہ فلاں عورت سے میں شادی کروں گا تم شادی نہیں کر سکتے۔ تو جذبات کی شدت میں انسان بعض دفعہ عورت کیلئے بھی اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ پھر کیا فرق ہے اِن

قربانی کرنے والوں میں اور اُن قربانی کرنے والوں میں جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں اپنی جان دی۔ فرق صرف یہی ہے کہ ایک نے سِفلی جذبات کیلئے قربانی کی اور دوسرے نے اعلیٰ جذبات کے ماتحت قربانی کی۔ اسی طرح اگر کوئی دکھاوے کیلئے لوگوں کو نام کے مسلمان بناتا اور محض تعداد پوری کر کے ہمیں دکھا دیتا ہے اور یہ کوشش نہیں کرتا کہ ان کے اندر اسلام کی حقیقی روح پیدا ہو تو یہ بالکل جھوٹ ہوگا اگر ہم کہیں کہ وہ اسلام کیلئے قربانی کر رہا ہے کیونکہ جو کچھ اُس نے پیدا کیا وہ اسلام چاہتا ہی نہیں۔ اسلام نے کب یہ کہا تھا کہ وہ ایسے لوگ پیدا کرے جو نام کے لحاظ سے تو مسلمان کہلائیں مگر اعمال کے لحاظ سے اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ کوئی قربانی نہیں کرتا بلکہ اسلام کی فتح کو پیچھے ڈالتا ہے اس لئے کہ جو غلط راہ پر چلتے ہوئے لوگ ہوں گے وہ آئندہ کیلئے اسلام کے راستہ میں روک بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ میں آجکل اِس بات پر زور دے رہا ہوں کہ جو منافق ہیں ان کے متعلق لوگوں کو میرے پاس رپورٹ کرنی چاہئے تا کہ میں انہیں جماعت سے الگ کر دوں کیونکہ جو قادیان میں منافق ہیں یا بیرونی جماعتوں میں، وہ مخلصین کے راستہ میں روک بن جاتے اور انہیں بھی قربانیوں سے پیچھے ہٹانا چاہتے ہیں۔ پس چونکہ منافق آدمی اور لوگوں میں زہر پیدا کرتا اور مخلصوں کی جماعت کو سُست بنانے کے درپے ہوتا ہے اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کے متعلق جماعت کو علم ہو اور وہ اُس کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ اسی طرح ایسی تبلیغ جس کے نتیجہ میں اسلامی تعلیم پر عمل نہیں ہوتا وہ اسلام کی فتح کو قریب نہیں کرتی بلکہ دُور ڈال دیتی ہے۔ پس میں اپنے اِن مبلّغوں کو جو اِس وقت امریکہ جا رہے ہیں اور اُن مبلّغوں کو بھی جو انگلینڈ میں کام کر رہے ہیں توجہ دلاتا ہوں کہ اگر واقع میں مغرب کو جاتے ہوئے کوئی قربانی ہے تو وہ یہی ہے کہ صحیح اسلام کو وہاں قائم کیا جائے۔ ممکن ہے مبلغین میں سے بعض جذباتی آدمی ہوں اور اپنے گھر کو چھوڑنا پسند نہ کرتے ہوں، اور میں نے جیسا کہ بتایا ہے دو فیصدی اِس قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں، مگر پھر بھی ان کی قربانی جسمانی جذبات سے تعلق رکھنے والی ہوگی بیرونی دنیا سے تعلق رکھنے والی نہ ہوگی اور ان کی قربانی بھی تبھی اصلی قربانی ہوگی جبکہ وہ اُس رَو کا مقابلہ کریں گے جو وہاں اسلام کے خلاف جاری ہے اور اسلام کو صحیح طریق پر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ اگر وہ اسلام کی صحیح تعلیم پیش کرنے کے نتیجہ میں مسلمان نہیں ہوتے تو نہ ہوں مگر

انہیں کُھلے بندوں کہہ دیا جائے کہ سچی تعلیم یہی ہے اور اگر وہ مسلمان ہونے کیلئے تیار ہوں تو پھر بھی انہیں صاف طور پر بتا دیا جائے کہ انہیں اسلام کی ان ان تعلیموں پر عمل کرنا پڑے گا۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ جب تک پہلے دن ہی کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیموں پر عمل نہ کرنا شروع کر دے اسے احمدیت میں داخل نہ کرو مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ انہیں صاف طور پر کہہ دو کہ گو آج تم میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں مگر تمہیں ان باتوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ اوّل تو ہم تم سے یہی امید کرتے ہیں کہ تم آج ہی ان باتوں کو چھوڑ دو گے لیکن اگر آج نہیں چھوڑ سکتے تو مہینہ، دو مہینے، تین مہینے تک چھوڑ دو اِس سے زیادہ انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ پس انہیں صاف طور پر کہہ دیا جائے کہ تم اسلام کی تعلیم کو اگر سچے طور پر ماننے کیلئے تیار ہو تو مانو ورنہ نہ مانو۔ اگر اِس طرز پر کام کیا جائے اور دس سال تک بھی کوئی شخص مومن نہ ملے تو کوئی حرج نہیں، بیس سال تک بھی کوئی مومن نہ ملے تو کوئی حرج نہیں۔ تیس سال تک بھی کوئی مومن نہ ملے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس قدر وضاحت سے اسلام کو پیش کر دینے کے بعد تیس سال کے لمبے انتظار کے بعد تمہیں ایک مومن بھی مل جاتا ہے تو پھر وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہ شخص خود وہاں کیلئے معلّم، ہادی اور راہنما کا کام دے گا۔ لیکن اگر اِس قسم کا ایک آدمی پیدا نہیں کیا جاتا اور نام کے ہزاروں مسلمان پیدا کر دیئے جاتے ہیں تو اِن ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں بھی وہاں سے واپس آنا خطرہ سے خالی نہیں ہوسکتا۔

ہمارے مبلّغوں کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں میں آج جس قدر فرقے پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر فرقہ کسی نہ کسی کمزور مبلّغ کی تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ اُس نے تبلیغ کی مگر تبلیغ میں کمزوری دکھائی اور بعض باتوں کو صحیح رنگ میں پیش نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ اُس کے گرد جمع ہو گئے اور ان لوگوں کے اثر سے اور لوگ پیدا ہو گئے اور ہوتے ہوتے وہ ایک فرقہ بن گیا۔ اِس طرح اس فرقہ پر جس قدر ملامت ہوتی ہے اس کا ایک حصہ اُس مبلّغ کو بھی ملتا ہے جس کی کمزوری کے نتیجہ میں وہ فرقہ پیدا ہوا۔ آخر کوئی نہ کوئی کمزور مبلّغ تھا جس نے بعض باتوں میں کمزوری دکھائی اور لوگوں کو ڈھیل دے دی۔ اُس نے سمجھا کہ یہ معمولی بات ہے مگر لوگوں کیلئے اُس کی کمزوری مُہلک ثابت ہوئی اور وہ ایک نئے فرقہ کے رنگ میں رونما ہوگئی۔ آج جتنے شِقاق مسلمانوں میں نظر آتے ہیں یہ بعض مبلّغین کی کمزوری کا ہی نتیجہ ہیں، اسی طرح جو شِقاق آج ہندو مذہب میں نظر آتا ہے یہ بھی کسی ہندو مبلّغ کی کمزوری کا نتیجہ تھا گو ہندو مذہب

آج سچا نہیں مگر کسی وقت سچا تھا، جو شِقاق آج عیسائیت میں نظر آتا ہے یہ بھی کسی عیسائی مبلّغ کی کمزوری کا نتیجہ تھا گو عیسائی مذہب آج سچا نہیں مگر کسی وقت سچا تھا، جو شِقاق آج بُدھوں میں نظر آتا ہے یہ بھی کسی بُدھ مبلّغ کی کمزوری کا نتیجہ تھا گو بدھ مذہب آج سچا نہیں مگر کسی وقت سچا تھا۔ غرض اِن تمام فرقوں کی لعنتیں اُن کمزور مبلّغوں پر بھی پڑتی ہیں جو اِس شِقاق اور تفرقہ کے موجب ہوئے کیونکہ اِس تفرقہ اور شِقاق کی بنیاد انہی کے ہاتھوں سے پڑی۔ رسول کریم ﷺ نے اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ جس شخص سے کوئی ہدایت پاتا ہے اُس کی نیکیوں کا ثواب جس طرح اُس شخص کو ملتا ہے جو نیکی کر رہا ہو اس طرح ایک حصہ ثواب کا اُس شخص کو بھی ملتا ہے جس کے ذریعہ اُس نے ہدایت پائی ہو اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذریعہ کوئی دوسرا شخص گمراہ ہوتا ہے اُس کی گمراہی اور ضلالت کا گناہ جس طرح اسے ملتا ہے اسی طرح اُس شخص کو بھی گناہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوا ہو۔[۴]

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں یہ بات ہمارے لئے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔[۵] تمہارے لئے رسول کریم ﷺ کے وجود میں نمونہ پایا جاتا ہے۔ آپ نے تبلیغ شروع کی چند لوگوں نے آپ کی تبلیغ سے متأثر ہو کر آپ کو قبول کر لیا مگر باقیوں نے انکار کر دیا۔ نہ مانا، نہ مانا، نہ مانا یہاں تک کہ سال گزر گیا، دوسرا سال گزر گیا، تیسرا سال گزر گیا، چوتھا سال گذر گیا حتّٰی کہ دس سال گذر گئے، گیارہ سال گذر گئے اور لوگ انکار کرتے چلے گئے۔ ایک ظاہر بین شخص کی نگاہ میں اِس کا مایوسی کے سِوا اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا مگر رسول کریم ﷺ مایوس نہ ہوئے۔ تب اسی حالت میں مکہ کے لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بعض باتوں میں نرمی کر دیں تو ہم ان کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شرک کریں، ہم یہ نہیں کہتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا مذہب چھوڑ دیں، ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہمارے بتوں کے متعلق سخت الفاظ کا استعمال نہ کریں اور ان کی تحقیر اور تذلیل نہ کریں۔ کیا یہی وہ چیز نہیں جو مغرب میں ہمارے مبلّغین کے سامنے پیش کی جاتی ہے؟ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کیا جواب دیا؟ باوجود اس کے کہ گیارہ سال کی لمبی مایوسی کے بعد امید کی جھلک دکھائی دی تھی، گیارہ سال کی لمبی تاریکی کے بعد روشنی کی ایک شُعاع نکلی تھی اور کُفّار صرف اتنی سی بات پر آپ سے ملنے

کیلئے تیار تھے کہ بتوں کے متعلق سخت الفاظ کہنا اور انہیں بُرا بھلا کہنا چھوڑ دیا جائے کیونکہ اس سے ان کی ہتک ہوتی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ اس تجویز کے پیش کرنے کیلئے انہوں نے ذریعہ بھی وہ اختیار کیا جو ہمارے مبلّغوں کے سامنے پیش نہیں ہوتا۔ وہ ایک ایسے شخص کے پاس جاتے ہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے زیادہ محسن ہے۔ محمد ﷺ کی بچپن کی زندگی کے لمحات اس کے ممنونِ احسان ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ایک معتدبہ حصہ اس کے گھر سے کھائی ہوئی روٹیوں سے غذا حاصل کرتا رہا ہے اور محمد ﷺ کا جسم سالہا سال تک اس کے دیئے ہوئے کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانکتا رہا ہے۔ پھر نبوت کے زمانہ میں باوجود اس کے کہ مذہبی طور پر وہ محمد ﷺ سے متفق نہ ہوا، ہر تکلیف میں وہ آپ کا ساتھ دیتا اور ہر مشکل میں وہ آپ کا ہاتھ بٹاتا، محمد ﷺ کے ایسے محسن کے پاس وہ لوگ جاتے اور اسے کہتے ہیں کہ اب تک تو تم نے یہ خطرناک غلطی کی کہ تم محمد ﷺ کا ساتھ دیتے رہے اور اپنی قوم کی جڑیں کٹوانے میں تم اس کی مدد کرتے رہے مگر اب ہم اس کی باتوں کی برداشت نہیں کر سکتے، ہم اس بات کیلئے بالکل تیار ہیں کہ اس کے ساتھ مل جائیں مگر یہ ہم سے نہیں دیکھا جاتا کہ وہ ہمارے بتوں کو گالیاں دے۔ پس اگر وہ اس بات کو منظور کرے کہ ہمارے بتوں کو گالیاں نہ دے تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے لیکن اگر وہ نہ مانے اور آپ بھی اس سے اپنا تعلق منقطع نہ کریں تو پھر آپ سے بھی ہمارے تعلقات جاتے رہیں گے۔

رسول کریم ﷺ کے چچا جن کا اِس واقعہ میں مَیں ذکر کر رہا ہوں ان کا نام ابوطالب تھا انہوں نے آپ کو بلایا اور کہا اے میرے بھتیجے! تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیری خاطر اپنی قوم سے لڑائی کی، پھر تجھ کو معلوم ہے کہ تیری تعلیم سے تیری قوم کتنی متنفر اور کس قدر بیزار ہے، آج اس قوم کے بہت سے معزز افراد مل کر میرے پاس آئے تھے اور وہ کہتے تھے کہ تو صرف اتنی سی نرمی کر دے کہ بتوں کے متعلق سخت الفاظ کا استعمال چھوڑ دے اگر تو اِس بات کیلئے تیار نہ ہو تو پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم ابوطالب سے بھی اپنے تعلقات منقطع کر لیں گے۔ تجھ کو معلوم ہے کہ میں اپنی قوم کو نہیں چھوڑ سکتا اور نہ اپنے تعلقات اس سے منقطع کر سکتا ہوں۔ پس کیا تو میری خاطر اپنی تعلیم میں اتنی معمولی سی کمی نہیں کرے گا؟ یہ مطالبہ ایسے منہ سے نکلا تھا کہ یقیناً دُنیوی لحاظ سے اِس کا ردّ کرنا نہایت مشکل تھا، ہمارے مبلّغ جو مغرب میں تبلیغِ اسلام کیلئے جاتے ہیں ان کے سامنے اِس قسم کی جذباتی تقریر کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، پس ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اُس وقت

رسول کریم ﷺ کے کیا جذبات تھے۔ ایک طرف آپ کا یہ عقدِ ہمت تھا کہ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر میں وہ تعلیم نہیں چھوڑ سکتا جس کی اشاعت کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف سے میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور دوسری طرف ابو طالب جو آپؐ کا نہایت محسن اور آپؐ کا چچا تھا اُس کے جذبات آپؐ کے سامنے تھے اور آپؐ چاہتے تھے کہ اس کے اُن احسانوں کا جو اُس نے آپؐ پر کئے اور اُن قربانیوں کا جو اُس نے آپؐ کی خاطر کیں کسی نہ کسی صورت میں بدلہ دیں لیکن خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مقابلہ میں بندوں کا احسان کیا حقیقت رکھتا ہے کہ اُس کی طرف توجہ کی جاتی۔ ان جذبات کے تلاطم نے رسول کریم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہا دیئے اور آپؐ نے اپنے چچا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ میرے چچا! میں آپ کیلئے ہر قربانی کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن خدا تعالیٰ کی تعلیم کی اشاعت میں مَیں کسی فرق اور امتیاز کو روا نہیں رکھ سکتا۔ اے چچا! آپ کی تکلیف مجھے تکلیف دیتی ہے اور آپ کا دکھ مجھے دکھ دیتا ہے لیکن اس معاملہ میں اگر آپ کی قوم آپ کی مخالفت کرتی ہے اور آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتے تو مجھے چھوڑ دیجئے۔ باقی رہی نرمی کرنی سو خدا کی قسم! اگر میری قوم سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں بھی لا کر رکھ دے تو میں اُس تعلیم کے پھیلانے میں کسی قسم کی کمی نہیں کروں گا جو خدا نے میرے سپرد کی ہے۔[۶] کتنی مایوسی کی گھڑیوں میں رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک بات پیش کی گئی اور کس رنگ میں آپؐ سے ایک مطالبہ کیا گیا مگر رسول کریم ﷺ نے کتنا شاندار جواب دیا کہ معمولی حالات نہیں اگر کُفّار زمین و آسمان میں بھی تغیر پیدا کر دیں اور حالات ان کے ایسے موافق ہو جائیں کہ سورج پر بھی اِن کا قبضہ ہو جائے اور نہ صرف مکہ میں یہ مجھے پناہ نہ لینے دیں بلکہ آسمان کے ستارے بھی اِن کے ساتھ مل جائیں اور یہ سب ملکر مجھے کُچلنے اور مجھے تباہ و برباد کرنے کیلئے اکٹھے ہو جائیں تب بھی میں خدا تعالیٰ کے حکم کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ وہ ایمان تھا کہ جب محمد ﷺ سے اس کا خدا تعالیٰ نے مظاہرہ کرایا تو اس کے بعد آپؐ کو حکم دیا کہ جاؤ ایک نئی زمین ہم نے تمہارے لئے تیار کر دی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاؤ۔ وہ زمین مدینہ تھی جہاں خدا تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت کھڑی کر دی جس نے اسلام کیلئے اپنے آپ کو قربانیوں کیلئے پیش کیا اور اپنے دعویٰ کو نباہا۔ یہ چیز ہے جس کی اِس وقت بھی ضرورت ہے۔ میں نے مدتوں دیکھا مگر خاموش رہا، میرے کانوں نے سنا مگر میری زبان نہیں ہلی مگر ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اسلام کی

اشاعت کیلئے کسی مداہنت اور کسی کمزوری کی قطعاً ضرورت نہیں آج تم کو مغربیت کو کُچلنے کیلئے کھڑا کیا گیا ہے نہ کہ مغربیت کی تقلید کرنے کیلئے۔ اگر تم مغربیت کو کُچل نہیں سکتے تو بہتر ہے کہ تم اپنی شکست تسلیم کرلو۔ تم سے ایک بالا ہستی موجود ہے اُس کی طرف اپنی نگاہیں اُٹھاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم ہار رہے ہیں تمام فتح اور کامیابی تیرے ہاتھ میں ہے تو آپ اپنے فضل سے ہمیں کامیابی عطا فرما۔

رسول کریم ﷺ کا نمونہ تمہارے سامنے ہے آپؐ اپنی قوم کو منوانے کیلئے ہرگز تیار نہ ہوئے بلکہ آپؐ نے کہا تو یہ کہ بے شک زمین و آسمان میرے مٹانے کیلئے تُل جائیں میں مداہنت نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم دنیا میں قائم رہی اور باوجود اس کے کہ مسلمان بِگڑ گئے آپؐ کی تعلیم آج تک محفوظ ہے لیکن اور کسی قوم کی تعلیم مکمل طور پر محفوظ نہیں۔ کتنی چھوٹی سی بات ہے جس میں عیسائیوں نے تبدیلی کی کہ ہفتہ کی بجائے انہوں نے اتوار کو اپنا مقدس دن بنالیا لیکن چونکہ ان کا قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم سے منحرف ہوگیا اِس لئے پاؤں پھسلنے کی دیر تھی کہ پھر اِن کا کہیں ٹھکانا نہ رہا۔ آج ایک تعلیم کو انہوں نے چھوڑا تھا تو کل دوسری کو چھوڑ دیا اور پرسوں تیسری کو، بالکل اُسی طرح جس طرح رسہ کشی کا جب مقابلہ ہوتا ہے تو ایک فریق میں سے کسی کا پہلے چھوٹا سا انگوٹھا ہِلتا ہے۔ اِس انگوٹھے کے ہِلنے کی دیر ہوتی ہے کہ یکے بعد دیگرے ٹیم کے تمام کھلاڑیوں کے تمام قدم اُکھڑنے شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک بھی ان میں سے رسّہ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ پس جس طرح ایک انگوٹھے کی جُنبش کی وجہ سے ساری ٹیم کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں اسی طرح دینی امور میں بعض دفعہ ایک چھوٹی سی جُنبش نہایت خطرناک نتائج پیدا کر دیا کرتی ہے اور درحقیقت وہی جُنبش اصل چیز ہوتی ہے۔ بظاہر وہ ایک چھوٹی سی جُنبش ہوتی ہے اور جسم کے قلیل حصہ کی جُنبش ہوتی ہے مگر ساری دنیا کا نقشہ بدل دیتی ہے۔ یہی حال ہماری کوششوں کا ہے ہم میں سے بھی ایک شخص کی معمولی سی لغزش بسا اوقات اسلام کی فتح کو بہت پیچھے ڈال سکتی ہے اور اُس کی جُنبش صرف اُس کی ذات کیلئے ہی نقصان دہ نہیں بلکہ دین کیلئے بھی نقصان رساں ہوسکتی ہے کیونکہ ساری ٹیم اُس کے پیچھے بھاگتی چلی جائے گی۔ پس وہ شکست اُس کی نہیں ساری قوم کی شکست ہوگی اور اُس کا پِھسلنا صرف اُس کا پِھسلنا نہیں ہوگا بلکہ ساری قوم کا پِھسلنا ہوگا۔

پس میں اس وقت اُن مبلّغوں کو بھی جو امریکہ جا رہے ہیں اور اُن مبلّغین کو بھی جو مغرب میں موجود ہیں بغیر کسی خاص مبلّغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ مغرب میں تبلیغِ اسلام کیلئے جانے والا اگر اپنے فرائض میں کوتاہی کرتا ہے تو میرے نقطۂ نگاہ سے وہ کوئی قربانی نہیں کر رہا اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہُ ۔ اور اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہُ مَیں اس لئے کہتا ہوں کہ بعض ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کے ذاتی حالات ایسے ہوں کہ وہ باہر جانا پسند نہ کرتے ہوں، ایسے لوگوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہ وہ بہت ہی کم ہوتے ہیں، عموماً یورپین ممالک میں جانے والوں کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ قربانی کر رہے ہیں۔ یوں تو انسان جب اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے طبعی طور پر تھوڑی دیر کیلئے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ کانووکیشن دربار میں جب بادشاہ اپنے سر پر تاج رکھوانے کیلئے جاتے ہیں تو بعض کی آنکھوں میں اُس وقت بھی آنسو آ جاتے ہیں مگر وہ آنسو عارضی ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ ہشّاش بشّاش ہو جاتے ہیں۔ پس سوال اُن آنسوؤں کا نہیں ہوتا جو روانگی کے وقت کسی شخص کی آنکھ سے ٹپکیں بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ لڑکیوں کی جب شادی ہوتی ہے تو عموماً گھر سے روتی ہوئی جاتی ہیں مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ قربانی کر رہی ہیں۔ صرف اس لئے کہ اُس وقت ان کے غم کے جذبات ہیں۔ جس وقت لڑکیوں کے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں ان آنسوؤں کے پیچھے ایک تسلی بھی موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مبلّغ گھر سے روانہ ہوگا قدرتی طور پر اُسے اپنے والدین اور رشتہ داروں کی جُدائی کا غم ہوگا مگر یہ صدمہ اور غم بھی زیادہ تر اُسی جگہ جانے میں ہوتا ہے جہاں جان کے متعلق کسی قسم کے خطرات ہوں لیکن جہاں جان کے متعلق کوئی خطرہ نہ ہو وہاں یہ صدمہ اور غم بھی بہت ہلکا ہوتا ہے اور محض اس کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص قربانی کر رہا ہے۔ غرض جہاں جہاں ہمارے مبلّغ اس اصول کے ماتحت تبلیغ کریں گے انہیں گو ابتدا میں تکلیف ہوگی اور لوگوں سے اپنے عقائد منوانے مشکل ہوں گے مگر آخر وہ اپنا دبدبہ اور رُعب قائم رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور جو جماعت ان کے ذریعہ قائم ہوگی وہ صحیح اسلامی جماعت ہوگی۔ اور اگر کسی ملک کا ہدایت پانا اللہ تعالیٰ کے حضور مقدر ہی نہیں تو ہم کون انہیں ہدایت دینے والے ہیں۔ پس جو مبلّغ اِس وقت جا رہے ہیں ان کو بھی اور جو پہلے سے وہاں موجود ہیں اُن کو بھی میں کہتا ہوں کہ اگر وہ اسلام کی تبلیغ کرنے کیلئے مغربی ممالک میں جاتے ہیں تو انہیں اسلام کی تعلیم پر وہاں عمل کرنا چاہیئے اور اسلامی عقائد ان لوگوں کے دلوں

میں راسخ کرنے چاہئیں۔ اور اگر وہ اسلامی تعلیم کی تبلیغ نہیں کر سکتے تو پھر انہیں آنے بہانے بنانے کی ضرورت نہیں وہ اپنے نفس کیلئے جا رہے ہیں، لذت اور سرور حاصل کرنے کیلئے جا رہے ہیں اور یہ منافقت ہوگی اگر وہ کہیں کہ ہم اسلام کی تبلیغ کیلئے جا رہے ہیں۔ مومن صاف دل اور صاف گو ہوتا ہے اسے ہمیشہ سچی بات کہنی چاہئے اور سچی بات ہی دوسروں سے سُننی چاہئے۔ پھر جو آئندہ ہماری طرف سے غیر ممالک میں مبلّغ جائیں خصوصاً وہ جو تحریک جدید کے بورڈنگ میں تربیت حاصل کر رہے ہیں ان کو بھی یہ امر مدنظر رکھنا چاہئے کہ یہاں سے جب بھی وہ نکلیں اِس روح کو لے کر نکلیں کہ مغربیت کا مقابلہ کرنا اُن کا فرض ہے۔ اگر وہ یہاں سے تعلیم حاصل کر کے جاتے ہیں لیکن مغربیت کے مقابلہ میں کمزوری دکھا دیتے ہیں اور بجائے مغربیت کو کُچلنے کے اس کا اثر خود قبول کر لیتے ہیں تو ان کی مثال بالکل اُس شخص کی سی ہوگی جسے اپنے متعلق خیال ہو گیا کہ میں بہت بڑا بہادر ہوں اور پھر اس نے چاہا کہ اپنے بازو پر شیر کی تصویر گدوائے تا کہ اُس کی نسبت عام طور پر سمجھا جائے کہ وہ بہادر ہے۔ جب نائی نے شیر کی تصویر گودنے کیلئے اس کے بازو پر سُوئی ماری اور اسے درد ہوا تو کہنے لگا کیا گودنے لگے ہو؟ اس نے کہا کہ شیر کی دُم گودنے لگا ہوں۔ اس نے کہا اچھا اگر شیر کی دُم نہ ہو تو آیا شیر رہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا رہتا کیوں نہیں۔ وہ کہنے لگا اچھا تو دُم چھوڑ دو اور کوئی اور حصہ گودو۔ پھر جو اُس نے سُوئی ماری تو اسے پھر درد ہوا۔ کہنے لگا اب کیا گودنے لگے ہو؟ کہنے لگا دایاں کان۔ اس نے پوچھا اگر شیر کا دایاں کان نہ ہو تو کیا شیر رہتا ہے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا رہتا کیوں نہیں۔ اس نے کہا اچھا اسے بھی چھوڑ دو اور کوئی اور حصہ گودو۔ پھر اس نے بایاں کان گودنا چاہا تو پھر اس نے روک دیا، سر گودنا چاہا تو اُسے روک دیا، یہاں تک کہ نائی نے سُوئی رکھ دی اور کہنے لگا ایک حصہ نہ ہو تو شیر رہ سکتا ہے لیکن جب کوئی حصہ بھی نہ بنے تو شیر کی تصویر کس طرح بن سکتی ہے۔ تو بعض لڑکے جنہیں ان کے ماں باپ نے اِس نیت اور اِس ارادہ سے اس جگہ داخل کیا تھا کہ وہ اپنے اندر قربانی کی روح پیدا کریں وہ اس روح سے چل نہیں سکے اور بعض ماں باپ بھی اِس روح سے کام نہیں لے سکے جس روح سے کام لینا ان کیلئے ضروری تھا مگر یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ ہر نئی چیز سے دو نظارے پیدا ہوا کرتے ہیں بعض لوگ پہلے اس میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر نکل جاتے ہیں اور بعض پہلے چیختے ہیں لیکن پھر خوشی سے شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ دونوں ناقص روح رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ کامل روح رکھنے والے وہ ہوتے ہیں جو

شروع سے ہی خوشی سے شامل ہو جاتے ہیں اور بالکل ناقص وہ ہوتے ہیں جو کبھی حصہ نہیں لیتے۔ پس کچھ لوگ جہاں ایسے ہوتے ہیں جو شروع میں ہی ساتھ شامل ہو جاتے اور چلتے چلے جاتے ہیں وہاں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلے شامل ہو جاتے اور پھر آہستہ آہستہ نکلنا شروع کر دیتے ہیں اور اسی قسم کا مظاہرہ بعض والدین اور بعض طالب علموں نے کیا ہے۔

پس میں تحریک جدید کے طلباء کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں اور انہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ان کو اپنے سامنے ہمیشہ وہ مقصد رکھنا چاہئے جو اسلام کا مُنتہٰی ہے اور جس کیلئے تحریک جدید جاری کی گئی ہے۔ میں اس یقین اور وثوق پر اَب قائم ہو چکا ہوں۔ ایسا ہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جیسے دنیا میں کوئی مضبوط ترین چٹان قائم ہو کہ دنیا کا واحد علاج اِس وقت مغربیت کا کُچلنا ہے۔ جب تک ہم مغربیت کو کُچل نہیں سکتے اُس وقت تک دنیا میں روحانیت قائم نہیں ہوسکتی یہ ناسور ہے جو دنیا کو ہلاک کر رہا ہے اور جب تک اس ناسور کو کاٹ کر الگ پھینک نہیں دیا جائے گا دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ منافقت اس سے ترقی کرتی ہے، کفر اس سے ترقی کرتا ہے، نافرمانی اس سے ترقی کرتی ہے، شِرک اِس سے ترقی کرتا ہے، مداہنت اِس سے ترقی کرتی ہے، اباحت اس سے ترقی کرتی ہے، دہریت اس سے ترقی کرتی ہے غرض یہ ساری بیماریوں کی جان ہے اور اِس کے کسی ایک حصہ کو بھی باقی رہنے دینا ایسا ہی ہے جیسے طاعون یا ہیضہ کے بہت سے کیڑے تو مار دیئے جائیں مگر ہیضہ اور طاعون کے کچھ کیڑے محفوظ رکھ لئے جائیں۔ پس تحریک جدید کے طلباء کو یہ امر ہمیشہ اپنے مدنظر رکھنا چاہئے کہ ان کا مقصد مغربیت کی روح کو کُچلنا ہے۔ بے شک بعض طالب علموں کے ماں باپ کے ذہن میں یہ بات موجود ہے کہ وہ اپنے بچوں کو خدمتِ دین کیلئے وقف کر دیں گے لیکن اصل قربانی یہ ہے کہ انسان اُن ممالک میں تبلیغ کیلئے جائے جن ممالک میں جانا ہر قسم کے خطرات اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ جانا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ امام جہاں بھیجے وہاں جانا ضروری ہوتا ہے اس لئے دل میں ارادہ یہ رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کیلئے ہم ہر قسم کے خطرات قبول کرنے کیلئے تیار رہیں گے۔ خصوصیت سے جب کوئی مبلّغ مغرب میں جائے تو اُس کو ہمیشہ یہ امر اپنے مدنظر رکھنا چاہئے کہ مغربیت کو کُچلنا اس کے فرائض میں داخل ہے۔ اگر وہ اِس فرض کو ادا نہیں کرتا تو وہ اسلام سے تمسخر کرتا اور ہم کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے لیکن ہم بیوقوف نہیں ہیں۔ بچپن میں ایک ہمارے اُستاد ہوا کرتے تھے انہوں نے جس روز دیکھنا کہ ہم گھر سے مٹھائی لے کر نکلے ہیں تو دُور سے ہی ہمیں دیکھ کر کہنا

شروع کر دینا کہ میں مٹھائی نہیں کھایا کرتا بچپن کی عمر تھی جب ہم اُن کے منہ سے یہ الفاظ سنتے تو اُچھل کر استاد صاحب سے چمٹ جاتے اور کہتے کہ ہم تو آپ کو مٹھائی ضرور کھلا کر ہی رہیں گے۔ جب ہم زیادہ اصرار کرتے تو انہوں نے اور زیادہ زور سے کہنا شروع کر دینا کہ نہ نہ میں نہیں کھاتا اور اپنے منہ کو خوب زور سے بھینچ لیتے اور کہتے خبردار! جو میرے منہ میں مٹھائی ڈالی۔ ہم اس پر اور زیادہ زور سے مٹھائی اُن کے منہ میں ڈال دیتے۔ انہوں نے تھوڑی سی مٹھائی کھا کر پھر منہ بھینچ لینا اور کہنا میں مٹھائی نہیں کھایا کرتا اور ہم نے پھر ان کے منہ میں مٹھائی ڈالنی شروع کر دینی۔ یہاں تک کہ وہ اس طریق سے ہماری ساری مٹھائی کھا جاتے اور بچپن کی عمر کے لحاظ سے ہم سمجھتے کہ ہم نے بڑا کارنامہ کیا ہے۔ تو مغرب میں جانے والا مبلّغ اگر مغربی روح کا مقابلہ نہیں کرتا تو اِس سے زیادہ اُس کی قربانی کی کوئی حقیقت نہیں جتنی قربانی مٹھائی کھاتے وقت ہمارا وہ استاد کیا کرتا تھا۔ میں نے جیسا کہ ابھی کہا ہے مَیں غیر احمدیوں میں سے ایک ہزار آدمی ایسے پیش کر سکتا ہوں جو اِس قسم کی قربانی کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں۔ اگر تجربہ کرنا ہو تو تین چار دفعہ ''الفضل'' اور ''انقلاب'' میں اشتہار دیکر دیکھ لو اور لکھ دو کہ ہمیں امریکہ، انگلینڈ یا جرمن اور فرانس میں تبلیغِ اسلام کیلئے مبلّغ درکار ہیں۔ تمہیں چند ہی دنوں میں معلوم ہو جائے گا کہ اس کیلئے تمہارے پاس کتنی درخواستیں پہنچتی ہیں۔

مثل مشہور ہے کوئی پوربیا مر گیا اور اُس کے بچوں کو سنبھالنے والا کوئی نہ رہا۔ اُس کی بیوی نے بَین ڈالنے شروع کئے کہ ہائے میرا خاوند مر گیا اُس نے فلاں سے ساٹھ روپے لینے تھے اب کون لے گا، فلاں سے سَو روپے لینے تھے وہ کون لے گا، جب اُس نے بَین ڈال کر اس طرح کہنا شروع کیا تو ایک پوربیا کُود کر آگے آ گیا۔ اور جب اس نے کہا ہائے فلاں شخص سے میرے خاوند نے ساٹھ روپے لینے تھے وہ کون لے گا؟ تو وہ کہنے لگا ''اری ہم ری ہم'' پھر وہ رونے لگی کہ فلاں سے سَو روپیہ اُس نے لینا تھا وہ کون لے گا؟ وہ پھر کہنے لگا ''اری ہم ری ہم'' عورت پھر کہنے لگی فلاں زمین اس کی تھی اب اس پر قبضہ کون کرے گا؟ وہ کہنے لگا ''اری ہم ری ہم'' پھر وہ عورت کہنے لگی اس نے فلاں کا دوسَو روپیہ دینا تھا وہ کون دے گا؟ یہ سن کر پوربیا کہنے لگا کہ ارے بھئی! میں ہی برادری میں سے بولتا جاؤں یا اور بھی کوئی بولے گا۔ تو اِس قسم کی قربانی کوئی چیز نہیں قربانی وہ پیش کرو جو حقیقی ہو۔ تحریک جدید کا مقصد ہی یہ ہے کہ تمہارے اندر قربانی کی روح پیدا کی جائے اور اعلیٰ قربانیوں کیلئے تمہیں تیار کیا جائے لیکن چونکہ اعلیٰ قربانیوں کا

یکدم مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے آہستہ آہستہ قربانیوں کا معیار بڑھایا جا رہا ہے تا کہ تمام جماعت ایک سطح پر آ جائے۔ عقلمند انسان ہمیشہ ربّانی ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ[۶] ربّانی کے معنی ایسے شخص کے ہی ہیں جو پہلے چھوٹے سبق پڑھاتا ہے اور پھر بڑے۔ بعض نادان اور منافق کہا کرتے ہیں کہ جن قربانیوں کا تم دعویٰ کرتے ہو ان قربانیوں کو تم کر کے کیوں نہیں دکھاتے؟ ان نادانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ جن قربانیوں کی جماعت کو ضرورت ہے اور جن کے بغیر الٰہی سلسلے دنیا میں ترقی نہیں کیا کرتے انہی قربانیوں کی طرف تو مَیں اپنی جماعت کو لا رہا ہوں۔ جو شخص کہتا ہے کہ میں تمہیں چھت پر چڑھا دوں گا اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے پہلی سیڑھی پر چڑھائے اور پھر دوسری اور پھر تیسری سیڑھی پر۔ جو شخص ابھی پہلی سیڑھی پر ہے اسے چھت نظر نہیں آ سکتا لیکن اگر وہ ان سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جائے گا تو آخر ایک دن چھت پر پہنچ جائے گا۔ جو کام اِس وقت ہمارے سپرد کیا گیا ہے یہ کام ایک دن ہو کر رہے گا۔

اگر احمدیت سچی ہے اور یقیناً سچی ہے تو جو کچھ تحریک جدید میں مخفی ہے یا ظاہر وہ ایک دن دنیا پر رونما ہو کر رہے گا۔ کئی باتیں تحریک جدید میں ابھی ایسی ہیں جو مخفی ہیں اور لوگ انہیں اِس وقت پڑھ نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ تحریک تفکّر اور تدبّر کے نتیجہ میں نہیں کی گئی بلکہ خدا تعالیٰ کے ایک مخفی الہام اور القائے ربّانی کے طور پر یہ تحریک ہوئی ہے اور اِس کے اندر ایسی ہی وسعت موجود ہے جیسے خدا تعالیٰ کے اور الہاموں میں وسعت موجود ہوتی ہے۔

پس جوں جوں جماعت قربانیوں کے میدان میں اپنے قدم آگے بڑھاتی چلی جائے گی خواہ میری زندگی میں اور خواہ میرے بعد اِس میں سے ایسی چیزیں نکلتی آئیں گی جو جماعت کیلئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیا قدم ہوں گی۔ اصول سب تحریک جدید کی سکیم میں بیان ہو چکے ہیں البتہ تفصیلات اپنے اپنے وقت پر طے ہو سکتی ہیں۔

اِس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے یونیورسٹی ایک کورس مقرر کر دیتی ہے اور اُس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ آگے یہ طالبعلموں کا کام ہے کہ وہ جتنا جتنا کورس یاد کرتے جائیں اتنے اتنے امتحان میں وہ کامیاب ہوتے جائیں۔ اسی طرح اب ایک مکمل کورس جماعت کیلئے تیار ہو چکا ہے، ایک کامل سکیم تمہارے سامنے پیش کر دی گئی ہے، ایسا مکمل کورس اور ایسی کامل سکیم کہ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ قلم نے جو کچھ لکھنا تھا وہ لکھ دیا اور اس کی سیاہی سُوکھ چکی۔

پس اب خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے جو راستہ مقرر کر دیا ہے اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے سِوا اَب گمراہی کا راستہ تو ہے مگر ہدایت کا کوئی راستہ نہیں۔ اسلام کے قیام کا اِس زمانہ میں جو واحد ذریعہ ہے وہ اس تحریک میں آچکا ہے، اِس میں عارضی تحریکیں بھی ہیں اور مستقل تحریکیں بھی، عارضی تحریکیں مختلف موقعوں پر تبدیل ہوتی چلی جائیں گی اور اس کے اصول بھی اس تحریک میں بیان ہو چکے ہیں مثلاً ممکن ہے قادیان میں مکانات بنانے کی سکیم کا حصہ ہمیشہ کیلئے ویسا نہ رہے جیسے اِس زمانہ میں ضروری ہے یا امانت فنڈ کی تحریک ویسی نہ رہے جیسی اِس وقت ہے۔ بالکل ممکن ہے آج سے دس پندرہ یا بیس سال کے بعد ان تحریکوں کی ضرورت بالکل جاتی رہے یا بہت حد تک کم ہو جائے یا ممکن ہے کسی وقت ان حصوں کو بالکل بند کرنا پڑے اور پھر کسی دوسرے وقت خطرہ ہونے کی صورت میں دوبارہ ان حصوں کو شروع کر دیا جائے۔ ایسا ہو سکتا ہے لیکن بہرحال اس تحریک کے جو اصولی حصے ہیں وہ ہمیشہ قائم رہیں گے۔

پس تم جو تحریک جدید کے بورڈنگ میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم ہو یاد رکھو کہ تم تحریک جدید کے سپاہی ہو اور سپاہی پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تمہارے نگرانوں کا فرض ہے کہ وہ تمہارے سامنے متواتر لیکچر دے کر تحریک جدید کی اغراض تمہیں سمجھائیں اور بتائیں کہ تحریک جدید کے بورڈنگ میں تمہارے داخل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تم تحریک جدید کے حامل ہو اور تمہارا فرض ہے کہ تحریک جدید پر نہ صرف خود عمل کرو بلکہ دوسروں سے بھی کراؤ۔ اس کی روح کو قائم رکھنا تمہارے فرائض میں داخل ہے اور چونکہ تم ابھی بچے ہو اس لئے تمہارے نگرانوں کا فرض ہے کہ تمہیں وہ تمام باتیں بتائیں اور مسلسل لیکچروں کے ذریعہ تمہارے ذہن نشین کریں۔ مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ سکول کے بعض افسر اس تحریک میں روک بنتے ہیں لیکن تم کو یہ امر ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر تمہارا باپ بھی اِس کے خلاف کوئی بات کہتا ہے یا تمہاری ماں بھی اِس کے خلاف کوئی بات کہتی ہے تو جب تک تم احمدیت پر ایمان رکھتے ہو تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس شخص کی زبان پر شیطان بول رہا ہے کیونکہ تم نے بیعت خلیفہ کی کی ہے اپنے باپ یا اپنی ماں یا اپنے استاد کی نہیں کی۔ اگر تم اِس تحریک پر قائم نہیں رہ سکتے تو تمہیں سنجیدگی کے ساتھ اپنے ماں باپ سے کہہ دینا چاہئے کہ ہم اس تحریک پر عمل نہیں کر سکتے اور بورڈنگ سے اپنے آپ کو الگ کر لینا چاہئے۔ لیکن جو طالب علم اس تحریک پر قائم رہیں اور اپنے ماں باپ کی بات مان لیں اور سمجھیں کہ جب ان کی مرضی یہ ہے کہ ہم اس تحریک کے

ممبر بنیں تو ہمیں اس تحریک پر عمل کرنے میں کوئی عُذر نہیں تو پھر اس روح کے ساتھ کام کرنا چاہئے جس روح کا تحریک جدید پر عمل کرتے وقت اختیار کرنا ضروری ہے۔

اساتذہ کو بھی چاہئے اور انہیں بھی جو لڑکوں کے نگران ہیں کہ متواتر ہفتہ میں ایک دو لیکچر ایسے دیا کریں جن میں تحریک جدید کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے اور مختلف رنگوں میں اِس کی وضاحت کی جائے۔ اسلام پر جو مصائب اِس وقت آئے ہوئے ہیں، سلسلہ کیلئے جن قربانیوں کی اِس وقت ضرورت ہے، اِن تمام باتوں کا ذکر کیا جائے اور پھر منافق جو اعتراض کرتے ہیں ان کا بھی ازالہ کیا جائے کیونکہ بچے کئی جگہ سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ ان لیکچروں اور تقاریر کے سلسلہ کو جاری رکھا جائے یہاں تک کہ جب طلباء اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر یہاں سے جائیں تو خواہ وہ مبلّغ ہوں یا نہ ہوں تحریک جدید کو قائم رکھنے والے ہوں۔ اب مجھے جو تحریک جدید کے متعلق مسلسل کئی خطبات، کئی لیکچر اور کئی تقریریں کرنی پڑتی ہیں یہ دراصل اصول کے خلاف ہے۔ سال کے خطبات میں سے ستّر اسّی فیصدی خطبات میرے ایسے ہی ہوتے ہیں جو تحریک جدید کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ حالت اسی وجہ سے ہے کہ جماعت خود توجہ نہیں کرتی۔ ورنہ اصل چیز تو یہ ہے کہ خلیفۂ وقت جونہی ایک بات کہے جماعت فوراً اس پر عمل کرنا شروع کر دے۔

پس تحریک جدید کے متعلق مجھے خطبات کہنے کی اس لئے ضرورت پیش آتی رہتی ہے کہ مَیں چاہتا ہوں اِس تحریک کو جاری کرنے اور اِس کو قائم رکھنے میں دوست میرے نائب بنیں اور وہ دنیا کے خواہ کسی حصہ میں رہتے ہوں اِس تحریک کو زندہ اور قائم کرتے چلے جائیں۔ جس وقت ہماری جماعت میں اِس قسم کے لوگ پیدا ہو گئے وہ دن ہماری کامیابی کا دن ہوگا۔ اور اگر ہم پورے زور سے اس تحریک کی اہمیت، اس کے مقاصد اور اس کی اغراض لوگوں کے ذہن نشین کرتے چلے جائیں تو آج جو ہمارے سامنے بچے بیٹھے ہوئے ہیں انہی کے دلوں میں کل تحریک جدید کے متعلق اس قدر جوش اور اتنا ولولہ ہوگا کہ انہیں چین اور آرام نہ آئے گا جب تک کہ وہ اپنے دوستوں، اپنے رشتہ داروں اور اپنے ہمسایوں کو بھی اس تحریک کا قائل نہ کر لیں۔ اور وہی دن ہوگا جو احمدیت کی فتح کیلئے قومی اور اجتماعی جِدّ وجُہد کا دن ہوگا۔ اِس وقت تک ہماری جِدّ وجُہد ایسی ہے جیسے اِکّے دُکّے آدمی کی جِدّ وجُہد ہوتی ہے۔ قومی جِدّ وجُہد ہم اسے نہیں کہہ سکتے۔ قومی جِدّ وجُہد ہماری اُس وقت شروع ہوگی جب تحریک جدید کے ماتحت

ہماری جماعت کے تمام افراد کی زندگیاں آ جائیں گی اور جب جماعت احمدیہ اُس چٹان پر قائم ہو جائے گی جس چٹان پر قائم ہونے کے بعد زندگی اور موت، امارت اور غربت کے تمام امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ یاد رکھو قوموں کے احیاء اور قوموں کی زندگی میں انفرادی قربانی کوئی چیز نہیں بلکہ قوموں کی زندگی کیلئے جماعتی قربانی کی ضرورت ہؤا کرتی ہے۔ بیرونی ممالک کے مبلّغین میں سے اگر کسی مبلّغ نے خطرات برداشت کئے اور اپنے نفس پر مصیبتیں جھیلیں تو بیشک ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو ہمارا بہادر سپاہی مصائب اور خطرات کے اوقات میں بھی کیسا ثابت قدم نکلا۔ مگر اس کی جرأت اور بہادری کو دیکھ کر ہمیں یہ کہنے کا حق ہرگز حاصل نہیں کہ دیکھو ہماری بہادر قوم۔ کیونکہ اُس کی بہادری اُس کے نفس سے تعلق رکھتی ہے، قوم کا حق نہیں کہ وہ مجموعی حیثیت سے اپنی طرف اسے منسوب کرے لیکن بہادر سپاہی کامیابی حاصل نہیں کیا کرتے بلکہ بہادر قومیں کامیابی حاصل کیا کرتی ہیں۔

پس جب تک قومی لحاظ سے اپنی بہادری کا مظاہرہ نہ ہو اور شاندار مظاہرہ نہ ہو اُس وقت تک قومی فتح حاصل نہیں ہوسکتی۔ فتح کا دن وہی ہوگا جب وہ طالب علم جو اِس وقت ہمارے سامنے بیٹھے ہیں ان کے سامنے ان کے استاد اور ان کے نگران ان کے فرائض دُہراتے رہیں اور انہیں یہ سبق پڑھاتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان سب میں قربانی کی روح پیدا ہو جائے اور تحریک جدید ہی اِن کا اوڑھنا ہو، تحریک جدید ہی اِن کا بچھونا ہو، تحریک جدید ہی اِن کی دوست ہو اور تحریک جدید ہی اِن کی عزیز ہو، جب رات اور دن انہیں کسی پہلو بھی چین نہ آئے، جب تک نہ صرف اِن کے بلکہ اِن کے رشتہ داروں، اِن کے دوستوں اور اِن کے ہمسایوں کے کام کاج بھی تحریک جدید کے ماتحت نہ آ جائیں اور جب تک وہ اِس یقین پر قائم نہ ہو جائیں کہ احمدیت تحریک جدید ہے اور تحریک جدید احمدیت ہے اُس وقت تک قومی فتح کا زمانہ نہیں آ سکتا۔ ہاں انفرادی فتح کا زمانہ آ سکتا ہے مگر انفرادی فتح یا انفرادی قربانی کوئی چیز نہیں۔ ہارنے اور شکست کھانے والی قوموں میں بھی ایسے لوگ ملتے ہیں جنہوں نے انفرادی لحاظ سے بہت بڑی جرأت اور بہادری دکھائی۔ ٹیپو سلطان مارا گیا کیونکہ اُس کی قوم نے اُس سے غداری کی لیکن اُس کا نام آج تک زندہ ہے جس وقت وہ اسلام کی حکومت کے قیام کیلئے انگریزوں سے لڑ رہا تھا اُس نے نظام حیدر کو لکھا کہ میں تمہارے ماتحت ایک سپاہی کی حیثیت میں کام کرنے کیلئے تیار ہوں آؤ اور ہم دونوں ملکر انگریزوں کا مقابلہ کریں مگر نظام نے انکار کر

دیا اور اُس نے خیال کیا کہ مجھے انگریزوں سے لڑائی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر اُس نے حکومتِ ایران کو لکھا، پھر اُس نے ترکوں کو لکھا کہ بے شک ہندوستان ایک غیر ملک ہے لیکن یاد رکھو! اگر ہندوستان سے اسلام مٹا تو تمہاری حکومتیں بھی مٹ جائیں گی۔ مگر انہوں نے بھی انکار کر دیا، تب وہ اکیلا انگریزوں سے لڑا۔ اور جب وہ انگریزوں سے لڑ رہا تھا تو اُس کے اپنے بعض جرنیلوں نے پیچھے سے قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور انگریز اندر داخل ہو گئے اُس کا ایک وفادار جرنیل دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ انگریز قلعہ کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ وہ اُس وقت دو فصیلوں کے درمیان لڑ رہا تھا، بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا کیونکہ باہر بھی انگریزی فوج تھی اور اندر بھی۔ وہ ابھی آپس میں بات ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں انگریز افسر آ پہنچا اور اس نے فصیل کی دوسری طرف سے آواز دی کہ ہمیں اپنے ہتھیار دے دو، ہم تم سے عزت کا سلوک کریں گے۔ اُس وقت ٹیپو نے جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ اُس نے تلوار سونت لی اور یہ کہہ کر انگریزوں پر ٹوٹ پڑا کہ گیدڑ کی سَو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے اور مارا گیا۔ بے شک اِس سے ٹیپو کی بہادری اور جرأت ظاہر ہوتی ہے مگر اِس میں ٹیپو کی قوم کی کوئی عزت نہیں۔ بے شک میسور کی عزت اِس واقعہ سے بلند ہوگئی مگر مسلمانوں کا وقار کھو یا گیا، بے شک ٹیپو ہمیشہ کیلئے زندہ ہو گیا، مگر کیا ٹیپو کے زندہ ہونے سے مسلمانوں یا ہندوؤں کو کوئی فائدہ پہنچا؟ اگر آج میسور کے لوگ ٹیپو کے کارنامہ پر اپنا فخر جتائیں، اگر آج ہندوستان کے باشندے ٹیپو کے کارنامہ پر اپنا فخر جتائیں تو ان سے زیادہ بے غیرت اور کوئی نہیں ہوگا کیونکہ وہ خود اُس کی فتح کے راستہ میں حائل ہوئے انہوں نے اُس سے غداری کی اور اُسے دشمنوں کے نرغہ میں اکیلا چھوڑ دیا۔ پس بے شک ٹیپو سلطان کیلئے یہ ایک فخر کی بات ہے مگر ہندوستانیوں کا اس میں کوئی فخر نہیں، مسلمانوں کا اس میں کوئی فخر نہیں اور میسور کے لوگوں کا اس میں کوئی فخر نہیں۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ نے جو قربانیاں کیں وہ صرف اُن لوگوں کیلئے ہی باعث فخر نہ تھیں جنہوں نے قربانیاں کیں بلکہ ساری قوم اِس فخر میں شریک تھی کیونکہ وہ ساری قوم ان قربانیوں کیلئے تیار تھی۔ قرآن کریم خود شہادت دیتا اور فرماتا ہے۔ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ [۸] خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے والے مر گئے مگر یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے تو باقی قوم یونہی رہ گئی بلکہ وہ قوم بھی موت کا انتظار کر رہی ہے اور دیکھ رہی ہے کہ کب خدا تعالیٰ کی راہ میں اسے اپنی قربانی پیش کرنے کا موقع ملتا ہے یہ وہ چیز

ہے جس پر کوئی قوم فخر کر سکتی ہے اور عزت سے اپنی گردن اونچی کر سکتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو اختیار کرنے کے بعد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اگر قوم صرف انہی لوگوں کی قربانیوں سے زندہ رہ سکتی جنہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جانیں دیں تو صرف مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ہی کہا جاتا اور مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کا فقرہ کبھی نہ کہا جاتا مگر مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے ساتھ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کے الفاظ کا آنا بتاتا ہے کہ قوم مرنے والوں سے زندہ نہیں رہتی بلکہ اُن زندہ رہنے والوں سے زندہ رہتی ہے جو بروقت مرنے کیلئے تیار ہوں۔ پس حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید ہماری زندگی کا ثبوت ہیں، مولوی نعمت اللہ صاحب شہید ہماری زندگی کا ثبوت ہیں۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب شہید ہماری زندگی کا ثبوت ہیں، مولوی عبدالحلیم صاحب شہید ہماری زندگی کا ثبوت ہیں، قاری نور علی صاحب شہید ہماری زندگی کا ثبوت ہیں، اسی طرح ہندوستان کے وہ بہت سے لوگ جو مخالفین کے مختلف مصائب کے نتیجہ میں شہید ہوئے ہماری زندگی کا ثبوت ہیں، مصر میں یا اور بعض علاقوں میں جو لوگ ہماری جماعت میں سے مارے گئے یا زخمی ہوئے وہ ہماری زندگی کا ثبوت ہیں، ہماری زندگیوں کا ثبوت اُن کی وہ روح ہے جو ہمارے زندوں میں پائی جاتی ہو۔ اگر افغان قوم میں وہ روح ہے جو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید نے دکھائی تو افغان قوم زندہ ہے اور اگر افغان قوم میں وہ روح نہیں تو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کی شہادت صاحبزادہ عبداللطیف کی زندگی کا ثبوت ہے مگر ہماری زندگی کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ ہاں! ہمارا اسی قسم کی قربانیوں کی خواہش کرنا، اسی قسم کی قربانیوں کیلئے تلملانا اور اضطراب دکھانا ہماری زندگی کا ثبوت ہو سکتا ہے اور صحابہؓ کی زندگی کا ثبوت بھی یہی روح تھی۔ پس اسلام اور مسلمانوں کی زندگی مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے مصداق وجودوں سے نہیں تھی بلکہ ان لوگوں کے وجود سے تھی جو مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کے مصداق تھے۔ اگر مرنے والے مر جائیں اور پیچھے منافق اور کمزور ایمان والے رہ جائیں تو یہ اُس قوم کی موت کی علامت ہوگی زندگی کی علامت نہیں ہوگی۔ اگر ان بہادروں کا وجود ہی زندگی کی علامت ہوتا جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان پر کھیل گئے تو خدا تعالیٰ انہیں کیوں مرنے دیتا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی حفاظت کا وعدہ کرتا ہے کیا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے ڈرتے ہیں؟ یا نبیوں کے خلفاء میں سے بعض کیوں ایسے ہوتے ہیں جنہیں طبعی موت دینے کا اللہ تعالیٰ وعدہ دیتا ہے کیا اس لئے کہ وہ بُزدل ہوتے ہیں نہیں بلکہ اس لئے

کہ اُن کی زندگی میں قوم کی زندگی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ ٹیکے ہیں جن کے لگنے سے قوم کے جسم سے بیماری دُور ہوتی ہے اور اگر یہ لوگ مر گئے تو دنیا بھی مر جائے گی۔ پس مرنے والے کسی قوم کی زندگی کا ثبوت نہیں ہوتے بلکہ وہ زندہ رہنے والی قوم کی زندگی کا ثبوت ہؤا کرتے ہیں جو ہر وقت مرنے کیلئے تیار ہوں۔ تحریک جدید کو جاری کرنے کی غرض بھی یہی ہے کہ تم میں زندگی پیدا ہو۔ مرنے والے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں دیں اور جو باقی رہیں وہ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کا مصداق بنتے چلے جائیں۔ جس دن ہم اس قسم کے زندہ لوگ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے وہی دن ہماری زندگی کا دن ہوگا ورنہ اگر مرنے والا مر گیا اور اُس نے انفرادی طور پر جان دے دی تو اِس سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

پس یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری تحریک جدید کے افسروں اور اس کے باقی کارکنوں پر ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک جماعت نے اس تحریک کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ ممکن ہے ایک دو فیصدی سمجھے ہوں لیکن جماعت پر ایک عام نظر ڈالنے سے مجھے یہ نظر آتا ہے کہ اِس تحریک کو ۵، ۶ فیصدی لوگوں سے زیادہ نے نہیں سمجھا حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ سَو فیصدی لوگ اسے سمجھنے والے موجود ہوتے۔ بعض نے تو یہ سمجھا کہ مخالفت کی چونکہ اُس وقت ایک زبردست رَو اُٹھی تھی اس لئے اُس کے مقابلہ کے لئے ایک عارضی سکیم جاری کی گئی تھی حالانکہ وہ تو خدا تعالیٰ نے اِس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ایک وقت پیدا کیا تھا۔ ہر نئی چیز کو پیش کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ ہؤا کرتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مدینہ گئے تو اس لئے نہیں کہ کفار کو اُن کے کِئے کی سزا دیں مگر چونکہ خدا تعالیٰ نے ازل سے یہ مقدر کر رکھا تھا کہ آپ مدینہ جاتے اور پھر کُفّار سے لڑائیاں ہوتیں اِس لئے آپ کو خدا تعالیٰ نے مدینہ جانے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا کہ ابھی کئی باتیں ایسی ہیں جو میں تم پر ظاہر نہیں کر سکتا مگر جب وقت آئے گا تو تم پر ظاہر ہو جائیں گی بالکل اسی طرح جس طرح حضرت مسیحؑ نے کہا۔ وہ وقت آیا مگر پھر بھی بہت سے نادانوں نے اسے نہیں سمجھا۔ کئی پاگل اور مجنون ابھی تک ایسے ہیں جو قدرتِ ثانیہ کے منتظر ہیں اور انہوں نے نہیں سمجھا کہ قدرتِ ثانیہ تو آچکی اور قدرتِ ثانیہ کسی ایک چیز کا نام نہیں بلکہ وہ ہمیشہ آیا کرتی ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کا سورج ایک دفعہ چڑھتا ہے اور پھر نہیں چڑھتا؟ پھر کیسا نادان ہے وہ شخص جو یہ کہے کہ مَیں ابھی سورج کے چڑھنے کا منتظر ہوں۔ جب تک کل والا سورج نہیں چڑھے گا مَیں آج کے سورج کے وجود کو

تسلیم نہیں کر سکتا۔ کیا جس چیز کیلئے انتظار کا لفظ استعمال کیا جائے وہ دوبارہ نہیں آیا کرتی؟ قرآن کریم ہمیشہ بتاتا ہے کہ کوئی چیز دائمی نہیں، خدائی سلسلہ اور روحانیت بھی دائمی نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ کا نام قابض اور باسط ہے۔ پس قبض کا آنا بھی ضروری ہے اور بسط کا آنا بھی ضروری ہے جیسا کہ رات کا آنا بھی ضروری ہے اور دن کا آنا بھی ضروری ہے۔ اگر سورج نے ایک ہی دفعہ چڑھنا ہوتا تو پھر ہمیشہ کیلئے تاریکی ہو جاتی لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ بار بار سورج چڑھاتا ہے۔ مگر وہ شخص جو سورج کی موجودگی میں کسی اَور سورج کا انتظار کرتا ہے وہ بیوقوف ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو اس وقت قدرتِ ثانیہ کا انتظار کرتا ہے وہ احمق اور گدھا ہے۔ قدرتِ ثانیہ آئی اور اس کا ظہور ہوا مگر افسوس کئی لوگ ہیں جنہوں نے اس کو شناخت نہیں کیا۔ میں دنیا کے ہر مقدس سے مقدس مقام پر کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ قدرتِ ثانیہ کا جو ظہور ہونا تھا وہ ہو چکا اور وہی ذریعہ ہے آج احمدیت کی ترقی کا۔ میں بتا چکا ہوں کہ اس سکیم میں بعض چیزیں عارضی ہیں۔ پس عارضی چیزوں کو مَیں بھی مستقل قرار نہیں دیتا لیکن باقی تمام سکیم مستقل حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے القاء کے نتیجہ میں مجھے سمجھائی گئی ہے۔ میں نے سکیم کو تیار کرنے میں ہرگز غور اور فکر سے کام نہیں لیا اور نہ گھنٹوں میں نے اِس کو سوچا ہے۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک پیدا کی کہ میں اِس کے متعلق خطبات کہوں۔ پھر اِن خطبوں میں مَیں نے جو کچھ کہا وہ مَیں نے نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر جاری کیا کیونکہ ایک منٹ بھی میں نے یہ نہیں سوچا کہ میں کیا کہوں۔ اللہ تعالیٰ میری زبان پر خود بخود اِس سکیم کو جاری کرتا گیا اور میں نے سمجھا کہ میں نہیں بول رہا بلکہ میری زبان پر خدا بول رہا ہے اور یہ صرف اِس دفعہ ہی میرے ساتھ معاملہ نہیں ہوا بلکہ خلافت کی ابتدا سے خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ یہی معاملہ ہے۔ میں نے قرآن شریف کی شاید پانچ، سات یا دس آیات پر اِن کے معانی معلوم کرنے کیلئے ایسا غور کیا ہوگا جسے لوگ غور کہتے ہیں ورنہ ان آیات کو مستثنیٰ کرتے ہوئے میں نے قرآن کریم پر کبھی غور نہیں کیا اور اگر قرآن کریم کے مطالب معلوم کرنے کیلئے اس پر غور کرنا نیکی ہے تو میں اس نیکی سے قریباً محروم ہی ہوں کیونکہ قرآن کریم کی آیات کے معانی کے متعلق ہمیشہ مجھ پر القاء ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا مفہوم مجھ پر کھول دیتا ہے اور جس چیز کو میں خود نہیں سمجھ سکتا اللہ تعالیٰ آپ ہی آپ مجھے سمجھا دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ اب یُوں کہو اور اب یُوں کہو۔ غرض قرآنی معارف کے متعلق مجھے کبھی غور کرنے کی ضرورت

محسوس نہیں ہوئی لیکن کئی نادان ہیں جو اِس پر بھی اعتراض کر دیا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ قرآن کے معارف سمجھاتا ہے۔ اِس پر بعض لوگ اعتراض کرتے کہ پھر آپ لُغت کیوں دیکھتے تھے؟ اور ممکن ہے کہ میرے متعلق بھی بعض لوگ یہ اعتراض کریں اس لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ لُغت قرآنی معارف معلوم کرنے کے لئے نہیں دیکھی جاتی بلکہ مختلف معانی معلوم کرنے کیلئے دیکھی جاتی ہے اور اصل چیز معارف ہیں نہ کہ معانی۔ پس قرآنی معارف کے لئے یا اس کی آیات میں ترتیب معلوم کرنے کے لئے مجھے کبھی غور نہیں کرنا پڑا۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ جن آیات پر مجھے غور کرنا پڑا ہے وہ بہت ہی محدود ہیں۔ اسی طرح اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ یہی سلوک کیا اور اِسی وجہ سے مَیں کہتا ہوں کہ جس صداقت کا اِس سکیم کے ذریعہ میں نے اظہار کیا ہے وہ میرا کام نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور اِس کا فخر مجھ کو نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے جنہوں نے ہمیں خدا تعالیٰ تک پہنچایا۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہے جو پھر ہمیں اس کے دروازہ تک لے گئے اور اگر میں نے اِس پر کچھ وقت خرچ کیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے ایک پیغامبر ہو جو کسی دوسرے کا پیغام لوگوں تک پہنچا دے۔ میں نے بھی ایک پیغامبر کی حیثیت میں آپ لوگوں تک وہ پیغام پہنچا دیا ہے۔ آسمان سے فرشتے اُتر کر مجھ پر ایک بات ظاہر کر دیتے ہیں اور وہی چیز جو دنیا کے لئے عُقدہ لاینحل ہوتی ہے میرے لئے ایسی ہی آسان ہو جاتی ہے جیسے شیریں اور لذیذ پھل کھانے میں کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بسا اوقات القائی طور پر مجھے آیات بتلائی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اِس آیت کو فلاں آیت سے ملا کر پڑھو تو مطلب حل ہو جائے گا۔ اِسی طرح تحریک جدید بھی القائی طور پر خدا تعالیٰ نے مجھے سمجھائی ہے۔ جب مَیں ابتدائی خطبات دے رہا تھا مجھے خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ مَیں کیا بیان کروں گا اور جب مَیں نے اِس سکیم کو بیان کیا تو میں اس خیال میں تھا کہ ابھی اِس سکیم کو مکمل کروں گا اور میں خود بھی اس امر کو نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس سکیم میں ہر چیز موجود ہے مگر بعد میں جُوں جُوں اِس سکیم پر میں نے غور کیا مجھے معلوم ہوا کہ تمام ضروری باتیں اِس سکیم میں بیان ہو چکی ہیں اور اب کم از کم اس صدی کیلئے تمہارے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب اس میں موجود ہیں۔ سوائے جُزئیات کے کہ وہ ہر وقت بدلی جا سکتی ہیں۔

پس جماعت کو اپنی ترقی اور عظمت کیلئے اس تحریک کو سمجھنا اور اس پر غور کرنا نہایت ضروری

ہے اللہ تعالیٰ جس طرح مختصر الفاظ میں ایک الہام کر دیتا ہے اور اس میں نہایت باریک تفصیلات موجود ہوتی ہیں اسی طرح اس کا القاء بھی ہوتا ہے اور جس طرح الہام مخفی ہوتا ہے اسی طرح القاء بھی مخفی ہوتا ہے بلکہ القاء الہام سے زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ یہ تحریک بھی جو القائے الٰہی کا نتیجہ تھی پہلے مخفی تھی مگر جب اس پر غور کیا گیا تو یہ اس قدر تفصیلات کی جامع نکلی کہ میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہمارے زمانہ کیلئے اِس میں اتنا مواد جمع کر دیا ہے کہ اصولی طور پر اس میں وہ تمام باتیں آ گئی ہیں جو کامیابی کیلئے ضروری ہیں۔

پس ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو تحریک جدید کو خود بھی سمجھیں اور دوسرے لوگوں کو بھی سمجھائیں اور اِس بات کو مدنظر رکھیں کہ تحریک جدید کو مضبوطی سے قائم رکھنا ان کا فرض ہے۔ اس بارہ میں افسروں کی ذمہ واری نہایت اہم ہے اور ان کا فرض ہے کہ وہ طلباء کو بار بار اس تحریک کی اغراض اور اس کے مقاصد سمجھائیں۔ جس دن اس تحریک کو پوری طرح سمجھ کر ہمارے طلباء باہر نکلے اور اُس روح کو لے کر نکلے جو تحریک جدید کے ذریعہ ان میں پیدا ہونی ضروری ہے یہ قومی طور پر ہمارا پہلا چیلنج ہوگا کہ اگر دنیا میں کوئی قوم زندہ ہے تو وہ ہماری زندہ قوم سے مقابلہ کر لے۔ آج اگر لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تو کیا ہوا۔ جس دن نپولین سکول میں پڑھ رہا تھا کون سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس چیز کیلئے تیار ہو رہا ہے، جس دن ہٹلر اور مسولینی اپنی قوموں میں نہایت چھوٹے درجہ پر ٹریننگ حاصل کر رہے تھے کوئی سمجھ سکتا تھا کہ اُس وقت جرمنی اور اٹلی کی قسمت کا سوال حل ہو رہا ہے۔ اسی طرح اگر تم اس تحریک کی اہمیت کو سمجھ لو تو گو دنیا اس بات کو نہ سمجھے مگر تمہارے اندر اسلام کی آئندہ فتوحات کا حل نظر آئے گا۔ اور اگر تمہارے ٹیوٹر، تمہارے سپرنٹنڈنٹ، تمہارے انچارج اور تمہارے اُستاد تقویٰ شعار ہوں اور وہ حکمتوں کو سمجھنے والے ہوں تو وہ تمہارے ذریعہ لڑکے پیدا نہیں کریں گے بلکہ بدری صحابہ کی طرح زندہ موتیں پیدا کریں گے اور تم اسلام کیلئے ایک ستون اور سہارا بن جاؤ گے۔ کتنا عظیم الشان کام ہے جو تمہارے سامنے ہے تم جو اتنی معمولی سی بات پر خوش ہو جاتے ہو کہ فلاں جگہ کبڈی کا میچ تھا جس میں ہم جیت گئے یا فٹ بال کے میچ میں اگر اچھی کِک لگاتے ہو تو اسی پر پُھولے نہیں سماتے۔ ذرا خیال تو کرو کہ تم جن کو یہ کہا جاتا ہے کہ سادہ زندگی بسر کرو، جن کو کہا جاتا ہے کہ نہ اچھا کھانا کھاؤ نہ اچھا کپڑا پہنو، تمہیں اِس بات کیلئے تیار کیا جا رہا ہے کہ تم کفر اور مداہنت کی اُن زبردست حکومتوں کو جنہوں نے اسلام کو دبایا ہوا ہے کُچل کر رکھ دو، تم فلسفہ اور اباحت

اور منافقت کی اُن حکومتوں کو جنہوں نے خدائی الہام کو مغلوب کیا ہوا ہے ریزہ ریزہ کر دو، کیا تم نہیں سمجھ سکتے یہ کتنا عظیم الشان کام ہے جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ بچپن میں قوتِ واہمہ چونکہ زیادہ تیز ہوتی ہے اس لئے تم اس کو یوں سمجھ لو کہ اگر کبھی اتفاقاً شام کے وقت تم دودھ پینے کیلئے نکلو، تمہیں دودھ کی دُکان پر یہ نظارہ نظر آئے گا کہ ایک مشہور ڈاکو کسی آدمی کو مار رہا ہے، فرض کرو جسے مارا جا رہا ہے وہ تمہارا بھائی ہے یا کوئی اور رشتہ دار، تم چھوٹے سے بچے ہو آٹھ یا دس سال تمہاری عمر ہے اور وہ مضبوط اور علاقہ میں مشہور ڈاکو ہے جب تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہارے کسی عزیز پر حملہ آور ہے تو تم جوشِ محبت میں اس پر حملہ کر دیتے ہو اور تمہارے چھوٹے سے بازوؤں میں اُس وقت ایسی طاقت آ جاتی ہے کہ تم اس ڈاکو کو مار لیتے ہو تو غور کرو اُس وقت تمہارے دل میں کتنا فخر پیدا ہوگا اور تم کس طرح لوگوں کو جگا جگا کر یہ بتاؤ گے کہ فلاں ڈاکو کو آج ہم نے مار دیا۔ پھر تم سوچو کہ اگر ایک ڈاکو کے مارنے پر تم اِس قدر فخر کر سکتے ہو تو اُن لاکھوں ڈاکوؤں کے مارنے پر جو اسلام کی متاع پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، اُن فلسفیوں کی فلسفیت کو کُچلنے پر، اُن اِباحت والوں کی اباحت اور اُن مداہنت والوں کی مداہنت کو صفحۂ عالَم سے نابود کرنے پر جو اسلام ایسے قیمتی عزیز کے کمزور جسم کو دبا رہے اور اُس کے گلے کو گھونٹ رہے ہیں تمہارے دل میں کس قدر فخر پیدا ہوگا اور کس خوشی اور سرور سے تم اپنی گردن اونچی کر کے کہو گے کہ آج ہم نے شرک اور کفر کو نابود کر دیا۔ یہ چیز ہے جس کو اپنے سامنے رکھنا تمہارا فرض ہے۔

تم بورڈر نہیں بلکہ تم خدا تعالیٰ کے سپاہی ہو اور تمہیں اس لئے تیار کیا جا رہا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانیں دو۔ اگر تم سلسلہ اور اسلام کیلئے اور خلافت اور نظامِ سلسلہ کیلئے اپنی جانیں نہ دو گے تو تم بھی محض باتیں کرنے والے ٹھہرو گے۔ پس تم اسلام کیلئے اپنی جانیں قربان کرنے والے بنو اور منافقوں کی ہاں میں ہاں مت ملاؤ بلکہ انہیں کُچلنے والے بنو۔ خواہ منافقانہ بات تمہارے باپ کے منہ سے نکلے یا تمہارے بھائی یا کسی اور عزیز کے منہ سے۔ صحابہؓ کے زمانہ میں ہمیں اِس قسم کا نظارہ نظر آتا ہے۔ مدینہ میں ایک منافق نے جب یہ بات کہی کہ مہاجرین نے یہاں آ کر فتنہ وفساد مچا دیا ہے تو اُس شخص کا لڑکا رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا مجھے یہ بات سننے میں آئی ہے کہ میرے باپ نے کوئی ایسی بات کہی ہے جس سے آپؐ کو تکلیف ہوئی ہے۔ یَا رَسُوْلَ اللهِ! آپ مجھے اجازت دیجئے کہ

میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں لے آؤں تا ایسا نہ ہو آپ کسی اور شخص کے ذریعہ اُسے مروا دیں تو کسی مسلمان کے متعلق میرے دل میں بُرائی پیدا ہو جائے[9] تو تم سے پہلے لوگوں نے اس قسم کا نظارہ دکھایا ہے اور قربانی کی شاندار مثالیں پیش کی ہیں۔ پس تمہیں بھی اگر سلسلہ کیلئے اِس قسم کی غیرت کا مظاہرہ کرنا پڑے تو تمہیں اس قسم کی غیرت کے اظہار میں کسی قسم کا دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ چونکہ تم میں ایسے کئی بچے ہوں گے جو گیارہ سال کی عمر رکھتے ہوں گے یا گیارہ سال کے قریب قریب اُن کی عمر ہوگی اِس لئے ممکن ہے تم کہو ہم اتنی چھوٹی عمر میں دین کیلئے کیا قربانی کر سکتے ہیں اِس لئے میں تمہیں ایک گیارہ سالہ بچے کا واقعہ سناتا ہوں۔

رسول کریم ﷺ نے جب دعویٰ نبوت کیا اور لوگوں نے آپ کی باتوں کو نہ مانا تو آپ نے یہ تجویز کی کہ ایک دعوت کی جائے جس میں مکہ کے رؤسا کو اکٹھا کیا جائے اور انہیں اسلام کی تبلیغ کی جائے۔ چنانچہ اِس کے مطابق ایک دعوت کا انتظام کیا گیا جس میں مکہ کے رؤساء اکٹھے ہوئے مگر جب کھانا کھانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو بعض باتیں سنانی چاہتا ہوں تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہمیں فُرصت نہیں اور سب ایک ایک کر کے اُٹھ گئے۔ اِس پر رسول کریم ﷺ نے دوبارہ ایک دعوت کا انتظام کیا اور اب کی دفعہ یہ تجویز فرمایا کہ پہلے ہم انہیں اپنی باتیں سنائیں گے اور بعد میں دعوت کھلائیں گے۔ چنانچہ رؤسا آئے اور بیٹھ رہے۔ رسول کریم ﷺ نے اُس وقت ایک وعظ کیا جس میں اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے فرمایا خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت آئی ہے اور اُس کو پھیلانا میرا فرض ہے۔ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی ہے جو اِس انعام کا حصہ دار بنے اور کیا آپ لوگوں میں سے کوئی سعید روح ہے جو میرا ہاتھ بٹائے۔ ان رؤسا نے جب یہ سنا تو خاموش رہے۔ مگر ایک گیارہ سال کا بچہ بھی وہیں بیٹھا تھا اُس نے اپنے دائیں بھی دیکھا تو رؤسا کو خاموش پایا، پھر اُس نے اپنے بائیں دیکھا تو اس طرف کے رؤسا کے منہ پر بھی اس نے مہرِ سکوت دیکھی۔ اس نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز آئی اور دنیا میں سے کسی نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی آواز بغیر کسی جواب کے رہے۔ وہ ایک چھوٹا بچہ تھا مگر اس نظارہ کو دیکھ کر وہ برداشت نہ کر سکا وہ کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں اپنے آپ کو اِس خدمت کیلئے پیش کرتا ہوں اور اس تعلیم کے پھیلانے میں مَیں آپ کی مدد کروں گا۔ رسول کریم ﷺ نے اُسے بچہ سمجھتے ہوئے اُس کی بات کی طرف زیادہ توجہ نہ کی اور پھر انہیں ترغیب دی تا ان میں

سے کوئی شخص مدد کیلئے اُٹھے۔ آپ نے پھر اُن مُردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ پھر اسلام کے متعلق تقریر کی اور جب اپنی تقریر کو ختم کر چکے تو آپ نے پھر فرمایا کیا کوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی آواز کو پھیلانے میں میری مدد کرے۔ پھر وہ تمام لوگ ساکت رہے اور پھر اس گیارہ سالہ بچہ نے دیکھا کہ مجلس میں کامل خاموشی ہے اور کوئی خدا تعالیٰ کی آواز پر لَبَّیْکَ کہنے کیلئے تیار نہیں اس لئے پھر اس کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ خدا تعالیٰ کی آواز بغیر جواب کے رہے۔ وہ گیارہ سالہ بچہ پھر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میں ہوں۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ وہی بچہ خدا تعالیٰ کی آواز کے جواب میں کھڑا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا۔ یہ خدا تعالیٰ کی دین ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس سے محروم رکھتا ہے[۱۰]۔ ممکن ہے تم میں سے وہ بچے جو ابھی گیارہ سال کی عمر کو نہیں پہنچے بلکہ اُن کی سات یا آٹھ سال عمر ہے وہ اِس واقعہ کو سن کر کہیں کہ ابھی تو ہم اُس عمر کو نہیں پہنچے جس عمر میں قربانی کرنا انسان کیلئے واجب ہوتا ہے اور شاید وہ قربانی کرنا ان لڑکوں کا حق سمجھیں جو بڑی عمر یا کم از کم گیارہ سال عمر رکھتے ہوں اس لئے میں ایک ایسے بچے کا بھی تمہیں واقعہ سناتا ہوں جو اُسی عمر کا تھا جس عمر کے تم میں سے اکثر بچے ہیں۔ اس بچے کا ماں باپ اپنی عمر کے نوّے برس گذار چکا تھا کہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب وہ لڑکا پانچ چھ سال کی عمر کو پہنچا تو اُس کے باپ نے رؤیا دیکھا کہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر چُھری پھیر رہا ہوں۔ اُس لڑکے کے باپ کو خدا تعالیٰ کی باتوں پر بڑا یقین تھا اور اُس نے اکثر خدا تعالیٰ کا کلام اُترتے اور اُسے سچا ہوتے دیکھا تھا اِس رؤیا کی بھی تعبیر تھی اور اس کا اصل مطلب درحقیقت کچھ اور تھا مگر وہ خدا تعالیٰ پر بڑا یقین رکھنے والا انسان تھا اور اُس نے کہا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے مجھے خواب میں ایک نظارہ دکھایا ہے میں اُسی طرح کروں گا اور اگر خدا تعالیٰ کا منشاء کچھ اور ہے تو وہ آپ اُس سے آگاہ کر دے گا۔ مگر اُس نے سمجھا کہ یہ میری قربانی نہیں بلکہ میرے بچے کی قربانی ہے اور میرے اکیلے کا حق نہیں کہ میں آپ ہی اِس پر عمل شروع کر دوں۔ بہتر ہے کہ مَیں اپنے بچے کے سامنے بھی اِس کا ذکر کروں۔ وہ بچہ پانچ چھ سال کی عمر کا تھا، جب باپ چلتا تو وہ دَوڑ کر اُس کے ساتھ قدم ملا سکتا تھا، معمولی رفتار کے ساتھ قدم نہیں ملا سکتا تھا، اُس باپ نے اپنے بچے کو بلایا اور کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ میں تجھ کو خدا تعالیٰ کیلئے ذبح کر رہا ہوں، اب تُو بتا تیری کیا صلاح ہے؟ اس بچہ نے آگے سے یہ نہیں کیا کہ زور سے چیخ

مار کر اپنی ماں سے چمٹ گیا ہو اور اُس نے کہنا شروع کر دیا ہو کہ میرا باپ پاگل ہو گیا ہے، اُس بچہ نے یہ نہیں کیا کہ ہاتھ جوڑ کر باپ کے آگے کھڑا ہو گیا ہو اور رونے لگ گیا ہو کہ ابّا مجھے نہ مارو مجھے ڈر لگتا ہے، وہ دہشت کے مارے بے ہوش نہیں ہو گیا، اُس کے چہرے کا رنگ زائل نہیں ہؤا بلکہ اُس نے یہ بات سن کر نہایت وقار اور نہایت متانت سے جواب دیا کہ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ[11] اے باپ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم دیا گیا ہے اُس کے کرنے میں دیر کیا ہے اور مجھ سے پوچھنے کا سوال کیا ہے میں حاضر ہوں آپ مجھے ذبح کر دیں، آپ دیکھیں گے کہ میں کوئی گھبراہٹ ظاہر نہیں کروں گا اور آپ آرام سے میرے گلے پر چُھری پھیر لیں گے۔ باپ اُس کو جنگل میں لے گیا اور اُسے لِٹا کر چاہا کہ اُس کے گلے پر چُھری پھیر دے۔ اُس زمانہ میں بچوں کی قربانی دینے کی عام رسم تھی اور ایک مقصد اللہ تعالیٰ کا یہ حکم دینے سے یہ بھی تھا کہ بچوں کی قربانی کی رسم کو مِٹا دیا جائے کیونکہ اُس زمانہ میں قوموں میں یہ رواج تھا کہ وہ کبھی کبھی خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے اپنے بچوں میں سے کسی کو ذبح کر دیتے لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اِس رسم کو مٹائے۔ پس اُس باپ نے جب اپنے بچے کو لِٹایا اور چُھری نکال کر اس کے گلے پر اپنا ہاتھ رکھ کر چاہا کہ چُھری چلا دے تو اللہ تعالیٰ نے معاً اپنا دوسرا کلام نازل کیا اور فرمایا۔ اے ابراہیمؑ! تو نے اپنی بات پوری کر دی۔ جا اور اب اپنے بیٹے کی جگہ ایک بکرا قربان کر دے کیونکہ اِس بیٹے کو خدا تعالیٰ تیرے ہاتھ سے کسی اور طرح قربان کرانا چاہتا ہے۔ جانتے ہو وہ کیا قربانی تھی؟ وہ قربانی جو بعد میں ظاہر ہوئی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جا اسماعیلؑ اور اُس کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کے میدان میں چھوڑ آ کیونکہ خانہ کعبہ کی حفاظت اور اُس کی عظمت کا کام اللہ تعالیٰ اِن سے لینا چاہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ اور اُس کی ماں ہاجرہؑ کو اپنے ساتھ لیا اور انہیں مکہ کی جگہ چھوڑ آئے۔ اُس وقت وہاں کوئی آبادی نہ تھی، ریت کا ایک میدان تھا جس میں مِیلوں تک نہ کھانے کیلئے کوئی چیز نظر آتی تھی اور نہ پینے کیلئے پانی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی کا اور کھجوروں کی ایک تھیلی اُن کے پاس رکھی اور وہاں اُنہیں بٹھا کر واپس لوٹ آئے۔ جب آپ واپس آ رہے تھے تو اپنی بیوی اور بچے کی قربانی کو دیکھ کر ابراہیم کے جذبات میں جوش پیدا ہؤا اور اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے بیوی کو چونکہ انہوں نے بتایا نہیں تھا کہ وہ انہیں ہمیشہ کیلئے اِس بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑے جا رہے ہیں، جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو

وہ سمجھیں کہ یہ جوش جو پیدا ہو رہا ہے یہ دائمی جُدائی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ حضرت ہاجرہؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے پیچھے آئیں اور کہا ابراہیمؑ! تم ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہو۔ یہاں تو نہ پینے کیلئے پانی ہے نہ کھانے کیلئے غذا، بے یارو مددگار بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ کر جس میں نہ پینے کی کوئی چیز ہے نہ کھانے کی کوئی چیز، تم ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام جذبات کے وفور کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضرت ہاجرہؑ نے پھر اصرار کیا اور پوچھا کہ بتاؤ تم کہاں جا رہے ہو؟ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر کوئی جواب نہ دے سکے۔ آخر حضرت ہاجرہؑ نے کہا تم ہمیں کیوں چھوڑے جا رہے ہو؟ کیا خدا کے حکم سے تم ایسا کر رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اِس کا بھی کوئی جواب نہ دے سکے صرف انہوں نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہاں میں خدا کے حکم کے ماتحت ہی تمہیں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ حضرت ہاجرہؑ نے جب یہ دیکھا تو فوراً بول اُٹھیں اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا [۱۲] اگر یہی بات ہے تو خدا ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ یہ بچہ جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی وہی اسمٰعیلؑ ہیں جن کی نسل سے محمد رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے اور وہی اسمٰعیلؑ ہیں جن کی نسل نے خانہ کعبہ کی حفاظت اور اُس کی تقدیس کیلئے اپنی عمریں وقف کر دیں۔ پس یہ چھ سال کا بچہ تھا جس نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کر دیا۔ پھر اگر تم میں سے کوئی ایسا ہے جو چھ سال سے بھی کم عمر رکھتا ہے تو مجھے اپنے ایک بچے کا واقعہ یاد ہے۔ اُس کی عمر کوئی پانچ سال کی تھی، وہ ایک دفعہ مکان میں ایک جگہ کھڑا تھا اور میں دوسرے کمرہ میں تھا کہ مجھے آواز آئی کہ لڑکے اکٹھے ہو کر اُسے چھیڑ رہے ہیں اور ڈرانے والی باتیں کر رہے ہیں وہ اُسے کہہ رہے تھے کہ اگر رات کا وقت ہو اور تمہیں ایک ایسے جنگل میں سے گذرنے کیلئے کہا جائے جس میں شیر، چیتے اور بھیڑیئے رہتے ہوں تو کیا تم ڈرو گے؟ انہیں وہ کہنے لگا ہاں ڈروں گا۔ پھر لڑکوں نے مختلف لوگوں کے نام لئے کہ اچھا اگر فلاں کہے تو تم وہاں ٹھہرو گے یا نہیں؟ وہ کہے نہیں۔ آخر ایک نے کہا اگر تمہارے ابّا تمہیں کہیں کہ اس جنگل میں رات کو ٹھہرو تو کیا تم ٹھہرو گے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا نہیں۔ آخر ایک نے کہا اگر خدا کہے تو؟ مجھے خوب یاد ہے اُس نے آگے سے یہی جواب دیا کہ اگر خدا کہے تو پھر ٹھہر جاؤں گا۔ تو چھوٹے چھوٹے بچوں میں بھی قربانی کا مادہ ہوتا ہے جسے اگر قائم رکھا جائے تو اِس سے نہایت مفید تغیرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

پس اگر تم پانچ چھ سال کی عمر کے بچے ہو تو تم بھی دین کی اعلیٰ خدمات سرانجام دے سکتے ہو۔ صرف اتنا ہونا چاہئے کہ تمہارے اندر سمجھنے کی قابلیت ہو اور تمہیں سمجھانے والے خاص توجہ سے کام لیں۔ اب بھی تم میں سے چھوٹے سے چھوٹے بچے اپنے دل میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہم نے بڑے ہو کر خدا تعالیٰ کے دین کا کام کرنا ہے اور اگر وہ اپنے دل میں فیصلہ کر لیں تو خدا تعالیٰ اِس کے مطابق انہیں کام کرنے کی توفیق بھی دے دیگا۔ اِس وقت نہ میری صحت مجھے اجازت دیتی ہے کہ میں اور تقریر کروں اور نہ وقت اِس کی اجازت دیتا ہے ورنہ مَیں انبیاء علیہم السلام کو مستثنیٰ کرتے ہوئے عام بزرگانِ دین کی اولادوں کے ایسے نمونے بیان کر سکتا تھا جنہوں نے نہایت اعلیٰ دینی خدمات سرانجام دی ہیں اور دُنیوی لوگوں میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ باوجود اِس کے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہدایت نہ ملی دُنیوی لحاظ سے انہوں نے نہایت شاندار کام کئے مگر جو مثالیں میں نے بیان کی ہیں اِن میں بھی تمہارے لئے اُسوہ حسنہ اور اعلیٰ تعلیم موجود ہے۔ صرف توجہ اور عمل کی ضرورت ہے۔

پس مَیں پھر تم کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے تمہارے اساتذہ، بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ، ٹیوٹروں اور تحریک جدید کے دوسرے تمام کارکنوں سے کہتا ہوں کہ یہ کام کوئی معمولی کام نہیں ایک عظیم الشان کام ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ جس وقت انسان کوئی نیا کام شروع کرتا ہے ناواقف لوگوں کے ذریعہ شروع کرتا ہے جو آہستہ آہستہ اپنے کام میں اکسپرٹ (EXPERT) ہو جاتے ہیں۔ مَیں نے بھی تحریک جدید کا کام ناتجربہ کار ہاتھوں سے شروع کیا ہے اور ہم اس کام کے نتیجہ میں اکسپرٹ اور کام کے ماہر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کارکن اس بارے میں مستعدی اور ہوشیاری سے کام نہیں لیں گے اور اپنے فرائض تندہی سے ادا نہیں کریں گے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں سے محروم ہو جائیں گے لیکن یہ کام بہر حال ہو کر رہے گا۔ خدا تعالیٰ کی باتیں دلوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہتیں یہ ہو نہیں سکتا کہ اس کام کو خوش اسلوبی سے کیا جائے اور ہم ناکام ہوں۔ اگر ہم ناکام ہوں تو یہ ہماری بددیانتی اور سُستی اور غفلت کا ثبوت ہوگا۔ اس امر کا ثبوت نہیں ہوگا کہ یہ کام خدا کی طرف سے نہیں تھا کیونکہ یہ کام یقیناً ہو سکتا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا۔ پس مَیں ان طالب علموں کو جو تحریک جدید کے بورڈنگ میں داخل ہیں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ واری کو سمجھیں اور کارکنان کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ انہیں پوری طرح تیار کریں۔ یہاں تک کہ یہاں سے جو پود نکلے وہ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ والی جماعت ہو۔ جو

مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ والی جماعت کی قربانیوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے قابل ہو۔ اگر تم اِس بات میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھو تم ضرور جیت کر رہو گے۔ خواہ میری زندگی میں یہ دن آئے یا میری موت کے بعد۔ مگر وہی دن اسلام کیلئے خوشی کا دن ہوگا، وہی دن دشمنوں کی شرمساری کا دن ہوگا اور وہی دن مغرب سے سورج کے طلوع کرنے کا حقیقی دن ہوگا جس دن اسلام نئے سرے سے دنیا پر غالب آئے گا، جس دن مغربیت پوری طرح کُچل دی جائے گی۔ جس دن اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کی فوقیت دنیا پر ثابت ہو جائے گی تب وہی منافق جو آج مغربیت سے ڈر رہے ہیں، وہی منافق جو آج قربانیوں سے جماعت کے افراد کو روکتے اور یہ کہتے ہیں کہ جماعت کو تباہی کی طرف لے جایا جا رہا ہے وہی سب سے زیادہ شور مچائیں گے اور کہیں گے کہ مغربیت سے زیادہ بُری اور کوئی چیز نہیں کیونکہ منافق لڑائی میں سب سے پیچھے رہتا ہے اور فخر میں سب سے آگے ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو پہلے ہی یہ کہا کرتا تھا۔ اور اس طرح جھوٹ بول کر اپنی پچھلی حرکتوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ کمزور طبائع جو آج مغربیت سے ڈر رہی ہیں اور وہ منافق جو جماعت پر دن رات اعتراض کرتے رہتے ہیں میں زندہ رہوں یا نہ رہوں مگر تم یاد رکھو ان لوگوں کو تم دیکھو گے کہ وہی جو آج یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مغرب کا مقابلہ کرنا کیسی نادانی ہے، جو آج یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جماعت کو ایک غلط راستہ پر چلایا جا رہا ہے، وہی احمدیت کی فتح کیلئے سب سے زیادہ شور مچائیں گے اور کہیں گے کہ ہم بھی ہمیشہ سے مغربیت کے مخالف تھے اُس دن تم کو محسوس ہوگا کہ مومن اور منافق میں کتنا عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ مومن قربانی کرتا اور پھر فخر کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور منافق قربانی سے بھاگتا اور فتح کے وقت شور مچانے والوں میں سب سے آگے ہوتا ہے۔

پس مَیں پھر طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے اپنی اس تقریر کو، جو لمبی نہیں ہونی چاہئے تھی کیونکہ مجھے کھانسی کی زیادہ تکلیف تھی لیکن جوش کی وجہ سے لمبی ہو گئی ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے امریکہ میں جانے والے مبلّغین کو اور اُن مبلّغوں کو بھی جو پہلے سے مغرب میں موجود ہیں صحیح رنگ میں اسلام کی خدمت کی توفیق دے اور وہ اسلامی تعلیم کا سچا نمونہ ہوں۔ بجائے دشمنوں کے اثر سے متأثر ہونے کے انہیں اسلام کی خوبیوں اور اس کے کمالات کے قائل کرنے والے ہوں اور ان کے ذریعہ جو لوگ وہاں اسلام میں داخل ہوں وہ ایسے ہوں جنہوں نے صدقِ دل سے اسلام کو قبول کیا ہو اور اُس کی خوبیوں کو دیکھ کر اپنے اعمال

کو اسلامی رنگ میں رنگین کرنے والے ہوں۔ اِس طرح وہ طالب علم جو تحریک جدید کے بورڈنگ میں اِن آرزوؤں کے ساتھ داخل ہیں کہ انہیں خدمتِ احمدیت کی توفیق ملے اللہ تعالیٰ ان کی آرزوؤں کو بھی پورا کرے اوران کے ماں باپ کو بھی اس تحریک کا صحیح مقصد سمجھنے کی توفیق دے اورطالب علموں کو ہمت دے، توفیق دے اورعزم دے کہ وہ دین کی خدمت کرسکیں۔اسی طرح وہ کارکنوں کو بھی ہدایت دے اور انہیں سمجھ دے کہ وہ اِس تحریک کو جاری کرنے کی اغراض سے واقفیت پیدا کریں انہیں ہرقسم کی بددیانتی اورکوتاہیٔ عقل سے بچائے، ان کی کوششوں میں برکت ڈالے اوران کی مساعی کو بارآور کرے تا وہ ایک ایسی جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو خلیفہ وقت کی مددگار رہواورجس کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس وقت اسلام کی زندگی وابستہ ہے۔

(الفضل ۱۹، ۲۲ تا ۲۶، ۲۸ فروری ۱۹۶۱ء)

---

۱؎ المائدة: ۱۰۶

۲؎ بخاری کتاب الجهاد والسیر باب اِنَّ اللّٰه لَيُؤَيِّدُالدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ

۳؎ بخاری کتاب بدء الوحی۔ باب كيف كَانَ بدء الوحی

۴؎ مسلم کتاب العلم باب مَنْ سَنَّ سُنّةً حسنَةً (الخ)

۵؎ الاحزاب: ۲۲

۶؎ سيرة ابن هشام الجزء الاوّل صفحہ ۲۸۴-۲۸۵ مطبع مصطفیٰ البابی مصر ۱۹۳۶ء

۷؎ اٰل عمران: ۸۰ ۸؎ الاحزاب: ۲۴

۹؎ السيرةالحلبية الجزء الثانی صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء (مفہوماً)

۱۰؎ تاريخ الامم والملوک لِابی جعفر محمد بن جریرالطبری المجلد الثانی صفحہ ۴۰۳ تا ۴۰۵ دارالفکر بیروت ۱۹۸۷ء

۱۱؎ الصّٰفّٰت: ۱۰۳

۱۲؎ بخاری کتاب احاديث الانبياء باب يزفون النسلان فی المشی